

بسم الله الرحمن الرحيم

قال الشيخ محمد بن عبدالوهاب

-رحمه الله-:

«الإنسان لا يستقيم له إسلام
ولو وحّد الله وترك الشرك
إلا بعداوة المشركين
والتصريح لهم بالعداوة
والبغض»

(مجموع مؤلفات الشيخ القسم الأول العقيدة ص 355)

متى يصير المؤمن كافراً

مسلمان کن باتوں سے کافر ہو جاتا ہے؟؟

تالیف: ڈاکٹر محمد نعیم یاسین (اردن)

مترجم: ابوجنید السلفی

"متی یصیر المؤمن کافراً"

مسلمان کن باتوں سے

کافر ہو جاتا ہے۔۔؟؟

تالیف: ڈاکٹر محمد نعیم یاسین (اردن)

مترجم: ابو جنید السلفی

انٹرنیٹ ایڈیشن:

مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان

فہرست

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آج بھی ہمارا معاشرہ امن وخوشحالی کا گہوارہ بن سکتا ہے،؟

اگر......

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَى آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ

بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالأَرْضِ

وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ . . .

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیز گار ہو جاتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔ مگر انہوں نے تکذیب کی سو اُن کے اعمال کی سزا میں ہم نے اُن کو پکڑ لیا......

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

ایمان ایک پاکیزہ اور تناور درخت کی مانند ہے جس کی جڑ یا بنیاد اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانا ہے۔ اس کے بعد رسولوں پر ایمان، فرشتوں پر، آسمانی کتب، یومِ آخرت اور تقدیر کے اچھے برے ہونے پر ایمان لانا اس بنیاد پر استوار ہے۔ پھر ایمان کی ستر سے زائد فروع (شاخیں) ہیں جن میں سب سے ہلکی شاخ راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا ہے۔

اسلام، دین کے پانچ ارکان (کلمہ کا اقرار، نماز، زکٰوۃ، روزہ، حج) کی ادائیگی اور ان پر قائم رہنے کا نام ہے۔ اللہ کے ہاں وہی اسلام معتبر اور قابلِ قبول ہے جس کے سوتے اللہ پر صحیح ایمان لانے سے پھوٹتے ہوں۔ ایمان کے بغیر ارکانِ اسلام کی ادائیگی خالص نفاق ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے منافقین تمام ارکانِ اسلام پر عمل کرتے تھے لیکن ان کے قلوب ایمان سے خالی تھے یا پھر وہ اسلام کی حقانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق شک میں پڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ان کا اسلام لانا ان کے کسی کام نہ آیا۔ تاہم ظاہراً اسلام پر عمل کرنے کی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مسلمانوں کا سا برتاؤ کیا۔ اور ان کے ''اصلی کافر'' ہونے کے باوجود انہیں قتل نہ کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو قتل کرنے لگے ہیں۔

لاریب، کہ شریعت فرد اور معاشرے کے ظاہر و باطن دونوں کو سدھارنے اور سنوارنے کا اہتمام کرتی ہے۔ لیکن دنیا میں شریعت کے احکامات و قوانین لوگوں کے ظاہر ہی پر لاگو ہوتے ہیں۔ اگر مدینہ کے منافقین سے کوئی کفر اعلانیہ طور پر ظاہر ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضرور بالضرور ان سے قتال فرماتے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مسلم قبیلہ بنو المصطلق کے زکوٰۃ کی ادائیگی

سے انکار کی خبر سن کر اس پر چڑھائی کا حکم دیا تھا۔ تاہم بعد میں یہ خبر غلط ثابت ہوئی تھی۔ اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کرنے والے قبیلہ سے قتال کیا تھا حالانکہ وہ لوگ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ کا اقرار کرتے تھے اور دیگر ارکانِ اسلام پر عمل پیرا تھے۔ لیکن اس اقرار اور دعوائے اسلام کے باوجود اُن سے کفر کا اعلانیہ اظہار ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں کافر و مرتد قرار دیا۔ گویا اسلام کے دعویدار کسی شخص یا گروہ کے اعلانیہ اظہارِ کفر سے اس کے اسلام کا اعتبار دنیا میں بھی ختم ہو جاتا ہے اور ایسے لوگوں کے جان و مال کی حرمت اسلامی معاشرہ پر سے اٹھ جاتی ہے۔

ہر ایسا نظریہ یا عمل جس سے ایمان کی بنیادی ارکان پر زد پڑتی ہو، انسان کو اسلام سے خارج کر دینے کا سبب بنتا ہے اور انہیں نواقض الایمان یا نواقض الاسلام (ایمان / اسلام کو توڑ دینے والے امور) کہا جاتا ہے۔ ایسے امور میں سے کسی کا ارتکاب خواہ پوشیدہ یا دلی طور پر ہو، یا ظاہراً کھلے طور پر، دونوں صورتوں میں انسان کافر ہو جاتا ہے۔ البتہ کسی فرد یا گروہ کی تکفیر صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے جب اس کا کفر اعلانیہ طور پر کھل کر سامنے آجائے۔ بشر طیکہ اس پر اس مسئلہ کی بابت حجت پوری ہو چکی ہو۔ تاہم یہاں اتمامِ حجت کے مسئلہ میں کچھ امور کا لحاظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں قرآن و حدیث کی تعلیمات تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہو اور ایک معمولی پڑھا لکھا شخص بھی کوشش اور جستجو اور علمائے دین سے استفسارات وغیرہ کے ذریعے دین کے صحیح منہج تک پہنچ سکتا ہو، یہی ماحول اس شخص یا گروہ کے اتمامِ حجت کے لئے کافی ہے۔ جبکہ وہ خود اسلام کا دعویدار بھی ہو۔ ایسے کسی معاشرے میں کوئی شخص یا گروہ دین و ایمان کے بنیادی اجزاء اور عقائد کے مخالف نظریات کا آوازہ بلند کرے، یا ان سے متصادم اعمال میں کھلے بندوں ملوث پایا جائے (بلکہ اسی کو عین اسلام بھی سمجھے ۔۔۔!) تو اب اس کے بطلان کے لئے مزید "کچھ اور" اتمامِ حجت درکار نہیں ہونا چاہئے۔ بھلا جو کوئی اسلام کا مدعی ہو اور قرآن و حدیث کی بہ آسانی دستیابی کے باوجود اُن سے دین کی بنیاد نہ حاصل کر سکا ہو، ایسے پر حجت تمام کرنے کے لئے آپ اب کس چیز اور کونسے وقت کا انتظار فرمائیں گے؟ کفار و مشرکین سے برأت اور دشمنی کا فریضہ، جو انہیں کافر سمجھنے پر موقوف ہے، کب تک یونہی معطل رہے گا؟ کیا اس

وقت تک، جب تک آپ بنفسِ نفیس اُن کے روبرو تشریف لے جاکر تمام قرآن کی تلاوت نہ فرمالیں؟ اور تمام متعلقہ احادیث مع اسناد کے نہ سنالیں؟؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اس سے پہلے بھی کافر ہیں اور اس کے بعد بھی کافر رہیں گے۔ اِلاَّ یہ کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کسی کو حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔

البتہ تبلیغِ دین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ راہِ حق کے راہیوں پر سے کبھی ساقط نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر اس کام میں کوئی تساہل واقع ہو رہا ہو تو اس سے بہر حال تلاشِ حق سے منہ موڑنے والوں کے جرم میں کمی واقع نہیں ہو جاتی۔ نہ ہی ان کے کفر کا حکم بدل کر کچھ اور ہو جاتا ہے۔

بناء بریں، اسلام کے بنیادی عقائد کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا سب سے پہلا فریضہ ہے۔ پھر یہ جاننا بھی نہایت ضروری ہے کہ وہ کونسے امور ہیں جن سے دین کی بنیاد پر زد پڑتی ہے اور آدمی کا ایمان ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب تک وہ ان باتوں کا علم حاصل نہیں کرے گا، اس بات کا امکان موجود رہے گا کہ وہ ان امور میں واقع ہو جائے جو اسلام کے مخالف ہیں۔ اسی مقصد کے تحت زیرِ نظر کتاب عربی سے ترجمہ کی گئی ہے جو کہ اردن کے عالم ڈاکٹر محمد نعیم یاسین کی کتاب ''الایمان ، ارکانہٗ ، حقیقتہٗ ، نواقضہٗ '' کا ایک باب ہے جس کا عنوان ہے ''متی یصیر المؤمن کافراً'' یعنی ایک مؤمن شخص کب (اور کن امور کے ارتکاب سے) کافر ہو جاتا ہے۔

کتاب کے رواں، سلیس اور شگفتہ ترجمہ کے لئے ہم جامعہ ستاریہ کراچی کے فاضل استاد جناب ابو جنید صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی مشکور ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمہ کے اقرار کے صحیح ہونے کی شرائط

اہلِ سنت کا اس امر پہ اتفاق ہے کہ شہادتین (لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کے اقرار کے سوا کوئی چیز انسان کو اسلام میں داخل کرنے کا موجب نہیں بنتی۔ لٰہذا جس کسی نے اس کلمہ کا اقرار نہ کیا ہو اس کو مسلمان کہنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اسی طرح یہ بھی کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اس کلمہ کے اقرار کرنے والے کو کافر کہے یا سمجھے جب تک کہ کلمہ پڑھنے والا اس کلمہ کے تقاضوں یا اس کے کسی ایک جز کے منافی عمل نہ کر لے۔ اس لئے کہ اس کلمہ کے ایک جز کا اقرار اسلام میں داخل ہونے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ توحید ورسالت دونوں کا اقرار ضروری ہے۔ اگرچہ ایک حدیث میں صرف شہادۃ ان لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے۔ مگر اس کا مطلب بھی پورا کلمہ ہی ہے جس طرح کہ دیگر احادیث سے اس کی صراحت ہو جاتی ہے۔ (شرح نووی، صحیح مسلم، ج ا صفحہ ۱۴۹ تا ۲۱۹ ملاحظہ کریں)

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہادتین کا اقرار اور دل سے اس کے مفہوم کی تصدیق اس وقت فائدہ نہیں دے گی جب ان دونوں یا ایک شہادت کے منافی کام کئے جائیں۔ نہ ہی ایسا اقرار اسلام میں داخل کرے گا اور نہ جہنم میں ہمیشہ رہنے سے بچا سکے گا۔ ایسے شخص کو مؤمن نہیں کہا جا سکتا جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرے مگر زکٰوۃ یا حج کے وجوب کا انکار کرے، یا زنا، سود، قتل وغیرہ کی حرمت، یا دیگر ایسے احکام کا انکاری ہو جو قرآن وحدیث میں موجود ہیں اور ہر مسلمان ان کو جانتا پہچانتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرے اور پھر کہے کہ یہ رسالت صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور تک یا کسی خاص قوم تک محدود و مخصوص تھی تو ایسا شخص بھی مؤمن اور مسلمان نہیں کہلائے گا۔ یا اگر کوئی شخص شہادتین کا اقرار کرے مگر ان کی ایسی تفسیر کرے جس سے اللہ کی صفاتی توحید کا انکار پیدا ہوتا ہو تو ایسا شخص بھی مؤمن نہیں کہلا سکتا۔ اگر کوئی شخص شہادتین کا اقرار کرتا ہو مگر قرآن کے کسی حصہ، آیت یا ایک حرف تک کا انکار کرتا ہو تو

ایسے شخص کو شہادتین کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اس لئے کہ ایک طرف تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار کرتا ہے مگر ساتھ ہی ان دونوں کی شریعت کا انکار کرتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی ایسے مذہب سے تعلق رکھتا ہے جس کی بنیاد شہادتین کے مفہوم کے منافی ہے تو جب تک وہ اُس مذہب کو چھوڑ نہ دے اس وقت تک شہادتین کا اقرار کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص توحید کا اقرار کرتا ہو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بھی مانتا ہو مگر کسی ایک زمانے یا قوم کے لئے مانتا ہو تو جب تک یہ شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دنیا(اور ہر زمانے) کے لئے رسول تسلیم نہ کرلے اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا۔ آدمی کو کب مؤمن کہا جائے؟اس مسئلہ کے بارے میں کچھ علماء نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے وہ قاعدہ یہ ہے کہ کسی شخص کو اس وقت تک مسلمان تسلیم نہ کیا جائے جب تک کہ وہ شہادتین کا اقرار نہ کرلے اور یہ اقرار اس طرح ہو کہ اس سے پہلے والے تمام باطل عقائد ختم ہو جائیں۔ اگر اقرار اس طرح کا نہیں ہے تو پھر شہادتین زبان سے ادا کرے اور عقائدِ باطلہ سے برأت کا اعلان کرے۔ وہ عقائد جو صرف اقرارِ شہادتین سے باطل نہیں ٹھہرے تھے۔(تفسیرِ کبیر)

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ ان تمام باطل تصورات کو ختم کر دیتا ہے جو خالق یا اس کی ربوبیت و الوہیت سے متعلق ہوتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کی ذات، اس کی صفات، اسماء و افعال اور اللہ کو ہر عیب سے پاک سمجھنے میں اس کلمہ کا اقرار کفایت کرتا ہے۔ جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرلیتا ہے تو وہ گویا اس بات کا عہد کرتا ہے کہ میں ان تمام باطل اعتقادات سے براءت کا اظہار کرتا ہوں جو اللہ کے بارے میں پہلے موجود تھے۔ جبکہ دوسری شہادت (یعنی محمد رسول اللہ) ان تمام باطل تصورات کو ختم کر دیتی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے متعلق یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت و مرتبہ کے بارے میں ہوں۔ اگر کوئی بھی غلط تصور باقی رہا جیسا کہ بعض لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو ایک قوم تک محدود سمجھتے ہیں تو پھر یہ گواہی فائدہ نہیں دے گی۔

یہ سب شرائط و تفصیلات ان لوگوں کے لئے ہیں جو پہلے کافر تھے اور اب اسلام میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ جہاں تک مرتد کا تعلق ہے تو وہ اس وقت تک مسلمان تسلیم نہیں کیا جائے گا جب تک ان باتوں کا اقرار نہ کرلے جن کا انکار کرکے وہ مرتد ہوا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار بھی کرنا ہوگا۔ اگر اس نے صرف اللہ کی وحدانیت یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کیا تھا تو شہادتین کا اقرار اس کے لئے کافی ہے اور اگر اسلام کے کسی اور رکن یا مسئلہ کا بھی انکاری تھا تو اس کا اقرار بھی کرنا ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی فرضیت یا حرمتِ زنا یا حرمتِ سود کا انکار کرتا ہے تو وہ مرتد ہوگا اور دوبارہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرے اور پھر زکوٰۃ کی فرضیت، زنا و سود کی حرمت کا اقرار کرے۔ غرض جس حکم کا بھی انکار کیا تھا اسے دوبارہ تسلیم کرلے۔

اس مقام پر اگر ایک اور بات کی وضاحت کی جائے تو بہت مفید ہوگا۔ وہ یہ کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شہادتین کے اقرار سے انسان ظاہری مسلمان بن جاتا ہے اور اس پر وہ تمام احکام لاگو ہوتے ہیں جو مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔ البتہ خلود فی النار (ہمیشہ جہنم میں رہنے) سے بچنے کے لئے صرف زبانی اقرار کافی نہیں جب تک کہ دل کی تصدیق بھی اس کے ساتھ شامل نہ ہوجائے۔ لہٰذا اب جو شخص شہادتین کا اقرار کرلے گا اس کے ساتھ دنیا میں وہی برتاؤ کیا جائے گا جو مسلمانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں وہ منافق ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ ہم دنیا میں ظاہری اعمال کے لحاظ سے معاملہ کرنے کے پابند ہیں اور ہمیں انہی کی بنیاد پر کسی کے مسلمان و کافر ہونے کا فیصلہ کرنے کا حکم ہے۔ باطن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اس لئے کہ باطن کا علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے ظاہری اقرار کو تسلیم نہیں کیا کہ وہ تو جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اور اسے قتل کردیا (جنگ کے دوران) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر سرزنش کی (کہ تم کو باطن میں جھانکنے کا کس نے کہا ہے؟)۔

مؤمن کب کافر ہوتا ہے؟ ایمان کے منافی امور کون سے ہیں؟

گزشتہ سطور میں یہ بات واضح ہو چکی کہ لوگ اسلام میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ کے دین میں داخل ہونے والوں کی کتنی اقسام ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اسلام میں داخل ہونے کے بعد کچھ لوگ تو اپنے اقرار پر قائم رہتے ہیں اور انکا خاتمہ ایمان پر ہو جاتا ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مرتد ہو جاتے ہیں۔ پہلی قسم کے جو لوگ ہیں (یعنی ایمان پر قائم رہنے والے) ان کی پھر کئی اقسام ہیں:

۱۔ بہت زیادہ نیکوکار

۲۔ متوسط درجے کے نیکوکار

۳۔ ایمان کے ساتھ ساتھ کچھ گناہ کرنے والے

۴۔ بغیر حساب کے جنت میں جانے والے

۵۔ آسان حساب لئے جانے والے

۶۔ کچھ عرصہ تک عذاب بھگتنے والے، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں عذاب سے نجات دے دے۔

جہاں تک ان اسباب کا تعلق ہے جن کی وجہ سے کوئی شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہوتا ہے تو اس بارے میں ہم ایسا قاعدہ کلیہ ذکر کرتے ہیں جس پر اہلِ سنت کا اتفاق ہے اس کے بعد ہم اسے تفصیل سے بیان کریں گے۔

قاعدہ

جس قاعدے کی رو سے ان اعتقادات اور افعال واقوال کی وضاحت ہوتی ہے جن کے اپنانے سے آدمی کافر ہوتا ہے وہ قاعدہ ہم امام طحاوی رحمہ اللہ کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

" ہم اہلِ قبلہ کو مسلمان سمجھتے ہیں اور انہیں مؤمن تسلیم کرتے ہیں جب تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے اقراری ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کی تصدیق کرتے ہوں۔ ہم اہلِ قبلہ میں سے کسی کو کسی گناہ کے سرزد ہونے پر کافر نہیں کہتے جب تک کہ وہ کسی گناہ کو جائز نہ سمجھے۔ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ ایمان کسی گناہ کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا۔ ایمان سے آدمی اس وقت نکلتا ہے جب وہ اس اقرار کا انکار کردے جس کی وجہ سے وہ اسلام میں داخل ہوا تھا۔" (العقیدۃ الطحاویۃ مع شرح، صفحہ ۳۵۰ تا ۳۵۱ اور ۳۷۱)

تفصیل اس قاعدہ کی اس طرح ہے کہ شارع نے ایمان و اسلام میں داخل ہونے کے لئے ایک دروازہ مقرر کیا ہے جسے شہادتین کا اقرار اور اُس کی تصدیق کہا جاتا ہے۔ اب جو شخص اس دروازہ سے اسلام وایمان میں داخل ہوگیا وہ باہر تب نکلے گا جب اس سے کوئی قول، عمل یا اعتقادی کام ایسا سرزد ہو جائے جو اس اقرار و تصدیق کے منافی ہو۔ آپ کے سامنے ہم یہ صراحت کرچکے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت کا مقصد ہے اللہ کی ربوبیت، اسماء وصفات اور افعال میں وحدانیت کا اقرار اور توحید الوہیت کو قائم کرنا اور عبادات میں اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کرنا۔

محمد رسول اللہ کی شہادت کا مطلب ہے اس بات کا اقرار اور تصدیق کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعت ہمیں دے گئے ہیں وہ برحق اور واجب الاتباع ہے۔ اور جو خبریں ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (سابقہ یا آئندہ) غیب کی دی ہیں انہیں سچا ماننا اور انہیں اللہ کی طرف سے ہونے کا یقین کرنا۔ اسی طرح یہ اعتراف کرنا کہ تمام نبوی اخلاق وصفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم امین، دیانتدار، عقلمند، پاکدامن اور اللہ کے احکام کو کماحقہ پہنچانے والے تھے۔ اب اس کے بعد اگر کوئی شخص کوئی ایسی بات کرتا ہے یا ایسا کوئی فعل کرتا ہے جو مذکورہ امور میں سے

کسی ایک کے انکار پر دلالت کرتا ہو تو یہ قول یا فعل اس کے اس اقرار کو ختم کر دے گا اور یوں ایسا شخص دینِ اسلام سے خارج شمار ہو گا۔ اگر اس کی نیت اور عقیدہ بھی اس قول یا فعل کے موافق ہو تو یہ شخص دنیا و آخرت دونوں میں کافر شمار ہو گا اور اس کے ساتھ دنیا میں وہی سلوک و معاملہ کیا جائے گا جو کافروں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے اور اس پر مرتد کے احکام لاگو ہوں گے۔ یعنی سب سے پہلے اس سے توبہ کروائی جائے، اگر نہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔ اگر اسی حالت پر اسے موت آجائے تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

البتہ جب کوئی مؤمن گناہ کرتا ہے یا ایسا کوئی قول یا فعل اس سے سرزد ہوتا ہے جو اللہ کی معصیت میں شمار ہوتا ہو تو اس کا یہ قول یا فعل اسے دین اسلام سے خارج نہیں کرتا، اگرچہ وہ توبہ بھی نہ کرے۔ البتہ گناہ ایسا نہ ہو کہ جو شہادتین یا ان میں سے کسی ایک کے منافی و نقیض ہو۔ ایسے شخص کی سزا و جزا اور بخشش کا معاملہ اللہ کی مشیئت پر ہے اگر وہ چاہے تو اسکے گناہ و معصیت کی سزا کے طور پر جہنم میں ڈال دے اور سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دے۔ اس بارے میں بہت سی صحیح احادیث ہیں کہ جہنم سے ہر وہ شخص نکال لیا جائے گا جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے مؤمن گناہ گار کو معاف کر دے اور بغیر عذاب دیئے ہی جنت میں داخل کر دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ } (النسآء: ۱۱۶)

" اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اس کے علاوہ جس گناہ کو چاہے معاف کر دے۔"

ایمان کو ضائع کر دینے والے امور کی اقسام

جو امور ایمان سے خروج کا سبب بنتے ہیں ان کی کئی اقسام ہیں اور سب کی بنیاد اسی قاعدہ کلیہ پر ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ پھر ہر ایک قسم کی بہت سی صورتیں اور تفصیلات ہیں جن کا شمار بہت مشکل ہے۔ ہم مختصراًان تفصیلات کو چار قسموں میں سمونے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کی ربوبیت کا انکار یا اس پر اعتراض واشکال۔

۲۔ اللہ کے اسماء وصفات پر اعتراضات واشکالات

۳۔ اللہ کی الوہیت پر اعتراضات واشکالات

۴۔ رسالت کا انکار یا صاحبِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص

یہ چار بڑی اقسام ہیں پھر ان میں سے ہر قسم کی، افعال اقوال واعتقادات کے لحاظ سے بہت سی صورتیں بنتی ہیں اور ہر صورت کا لازمی نتیجہ شہادتین سے خروج ہے جس سے انسان اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ان صورتوں میں سے ہر ایک کی تفصیل اور مثالوں کے ساتھ وضاحت پیش کی جاتی ہے:

پہلی قسم: اللہ کی ربوبیت کا انکار یا اس پر اعتراض واشکال

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ توحید کی تمام اقسام میں پہلی قسم توحیدِ ربوبیت ہے یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام کائنات کا ربّ ومالک ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق ورازق ہے۔ ان تمام چیزوں میں تغیر و تبدیلی کے اختیارات صرف اللہ کے پاس ہیں۔ یہ تمام تغیرات اللہ کی مشیئت، حکمت اور علم کے مطابق ہوتے ہیں۔ اور ہر وہ عقیدہ یا قول جس سے اللہ کی یہ مذکورہ خصوصیات یا ان میں سے چند خصوصیات کا انکار لازم آتا ہو وہ قول واعتقاد، کفر وارتداد ہے اور خالق کا انکار ہے۔ کسی چیز کو اللہ سے مقدم ماننا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ کوئی چیز ایسی بھی ہے جو اللہ نے پیدا نہیں کی اور وہ اللہ سے بھی پہلے موجود تھی، یا اللہ کے علاوہ کسی اور کو خالق یا کائنات میں تصرف وتدبیر کرنے والا ماننا، یا اللہ کی ملکیت

کو عام و مکمل نہ سمجھنا، یارزق کا مختار و مالک کسی اور کو سمجھنا، یا اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک سمجھنا، یا یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ نے ہر چیز پیدا تو کر دی ہے مگر اب انہیں (یا ان میں سے کسی کو) بیکار چھوڑ رکھا ہے اور ان میں اب تصرف نہیں کر رہا۔ نہ ان کی حفاظت کر رہا ہے نہ ان کی تدبیر کر رہا ہے۔ یا اور کوئی اس طرح کا عقیدہ جس سے اللہ کی ربوبیت کی خصوصیات پر حرف آتا ہو، ارتداد شمار ہو گا۔ اسی طرح کفر وارتداد اس کو بھی کہیں گے کہ کوئی شخص ان خصوصیات میں سے کسی ایک یا کئی خصوصیات کا اپنے آپ میں ہونے کا دعویٰ کرے، جیسا کہ فرعون نے کہا تھا: {اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى} (النازعات :۲۴) "میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں۔" یا خود کو مالک، رازق یا تدبیرِ عالم میں سے کسی تدبیر کے سرانجام دینے کا دعویٰ کرے۔ ایسا شخص خود بھی کافر ہے اور اس کو اس دعویٰ میں سچا ماننے والا بھی کافر و مرتد ہے۔

دوسری قسم: اللہ کے اسماء وصفات پر اعتراضات و اشکالات

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کچھ اسماء و صفات ثابت کی ہیں اور کچھ اسماء و صفات کی نفی کی ہیں۔ اسی طرح اس کے رسول ﷺ نے بھی اللہ کے لئے کچھ اسماء وصفات ثابت کی ہیں اور کچھ کی نفی کی ہے۔ اب اگر کوئی شخص ثابت شدہ اسماء و صفات کی نفی کرے یا نفی کردہ صفات کو ثابت مانے تو یہ بھی کفر شمار ہو گا۔ اس کو ہم دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ۱۔ کفرِ نفی ۲۔ کفرِ اثبات

کفرِ نفی: کفرِ نفی میں یہ باتیں شامل ہیں:

اللہ کی صفات میں سے کسی کی نفی کرنا۔ مثلاً اللہ کے کامل علم یا قدرت، زندگی، قیومیت، سماعت، بصارت، استواء علی العرش، کلام، رحمت، کبریائی وغیرہ میں سے جو بھی کتاب وسنت سے ثابت ہے ان میں سے کسی کا انکار کرنا یا تاویل کرنا یا اللہ کی کسی صفت کو محدود یا ناقص و نامکمل سمجھنا، جیسے ایک شخص اللہ کے علم کا اقرار کرتا ہے مگر اس کے علم کو اجمالی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ جزئیات و

تفصیلات تک اللہ کا علم نہیں ہے۔ یا کوئی شخص اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ قرار دیتا ہے کہ اللہ کا سننا اور دیکھنا ایسا ہی ہے جیسے انسانوں کا دیکھنا و سننا، وغیرہ۔

کفرِ اثبات: کفرِ اثبات میں یہ باتیں شامل ہیں:

کسی ایسی صفت کو اللہ کے لئے ماننا جس کی نفی اللہ نے خود کی ہو یا اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو۔ جیسے اللہ کے لئے بیٹے یا بیٹیاں یا بیوی یا نیند، غفلت، موت یا کسی بھی ایسے نقص کو اللہ میں موجود ماننا جو کہ انسانوں میں پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو اللہ کی صفات میں سے کسی صفت کو اپنے لئے یا مخلوق میں سے کسی کے لئے ثابت کرتا ہو۔ ایسے شخص کے اس دعوے کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ میں بھی ایسا ہی عالم ہوں جس طرح اللہ عالم ہے یا فلاں شخص کے پاس ایسی ہی حکمت ہے جس طرح اللہ کے پاس ہے۔ ایسا شخص اور اس کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں اس لئے کہ اللہ کی صفات میں شریک کرنا اللہ کی صفات کی تنقیص ہے اور جو شخص بھی اللہ کی صفات کو ناقص مانتا ہے وہ کافر و مرتد ہے۔

تیسری قسم: اللہ کی الوہیت پر اعتراضات و اشکالات

ہر وہ قول، فعل یا عقیدہ جو توحید کی قسم ثالث یعنی توحید الوہیت میں طعن یا تنقیص کا سبب ہو، نواقض الایمان کی تیسری قسم میں شمار ہوتا ہے۔ توحیدِ الوہیت کا مقصد ہے اللہ تعالیٰ کو اکیلا معبودِ برحق ماننا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی بھی چیز عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اب اگر کوئی شخص اِسکے مخالف عقیدہ رکھے، یا اسکا کوئی قول یا فعل اس اقرار کے منافی ہو یا ان میں سے کسی بھی چیز میں تنقیص کا سبب ہو، یا اللہ کے ساتھ ان صفات میں کسی اور کو شریک مانتا ہو، تو ایسا شخص کافر و مرتد شمار ہوگا۔

زیادہ تر لوگوں کے کافر یا مرتد ہونے کا تعلق بھی اسی قسم کی توحید کے ساتھ ہے۔ اکثر لوگ اللہ کے وجود، اس کے خالق، رازق، قادر، محی و ممیت (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) ہونے کے پہلے بھی قائل تھے اور اب بھی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کے بارے میں فرمایا:

{ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ } (زخرف: ۸۷)

" اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان (کُفّارِ مکہ) سے پوچھیں کہ تمہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔"

اسی طرح فرمایا:

{ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ } (زخرف ۹:)

" اگر آپ اان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یہ یہی کہیں گے کہ اللہ نے جو غالب اور عالم ہے۔"

اس اقرار کے باوجود اکثر کو کافر اس بنیاد پر کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اکیلا عبادت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے اور اللہ کے اس (تنہا معبود ہونے کے) استحقاق کا انکار کرتے تھے۔ یہ انکار بھی قولی، فعلی یا اعتقادی میں سے کسی قسم کا ہوتا تھا۔ اور چونکہ دوسروں کو بھی اللہ کے اس حق میں شریک سمجھتے تھے اس لئے انہیں کافر قرار دیا گیا۔ یہ شرک بھی خواہ قولی ہو یا فعلی یا اعتقادی، کفر وارتداد کا سبب تھا اور ہوگا۔ اس لئے کہ جو شخص یہ مانتا ہو کہ اللہ خالق ہے، مالک ہے، ہر چیز کی تدبیر کرنے والا ہے اسی طرح اللہ کی تمام جلالی و کمالی صفات کا معترف ہو تو اس اعتراف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ الوہیت میں بھی اللہ کو اکیلا ہی سمجھے اور عبودیت کا مستحق بھی صرف اسی اکیلے اللہ کو سمجھے۔ اگر وہ اس کا انکار کرتا ہے اور اللہ کے ساتھ یا اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرتا ہے تو اس کا یہ اعتراف (یعنی اللہ کی ربوبیت کا) باطل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جیسا کہ صنعانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تطہیر الاعتقاد میں لکھا ہے:

”جو شخص اللہ کی توحید ربوبیت کا اعتراف کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اللہ کو عبادت میں بھی اکیلا سمجھے۔ اگر اس طرح نہیں کرے گا تو اس کا پہلا اقرار بھی باطل ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کے امتحان کا ذریعہ توحید الوہیت کو بنایا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

{وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ} (الذاریات: ٥٦)

” میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔“

یہاں ایک اور بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ لا الہ الا اللہ کے منافی دو امور ہیں:

(۱) خالق کے حق کی نفی کی جائے یعنی کسی بھی قسم کی عبادت ہو اللہ کو اس کا مستحق نہ مانا جائے۔

(۲) یہ حق کسی اور کے لئے ثابت کیا جائے یعنی مخلوق میں سے کسی کو عبادت کا مستحق مانا جائے۔

اب ہر قول یا عمل یا اعتقاد جس میں ان دو امور میں سے کوئی امر پایا جائے وہ عمل، اعتقاد یا قول کفر میں داخل کرنے کا سبب ہو گا اور ایسا قول، عمل یا اعتقاد رکھنے والا مرتد شمار ہو گا۔

جو امور اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں ہیں وہ یہ ہیں: عاجزی، انکساری، اطاعت، جھکنا، محبت، ڈرنا، مدد طلب کرنا، دعا کرنا، بھروسہ کرنا، امید رکھنا، رکوع، سجدہ، روزہ، ذبح، طواف وغیرہ۔

جو شخص اپنے قول یا عمل یا اعتقاد کے ذریعہ سے ان امور میں سے کسی ایک کی بھی اللہ کے لئے نفی کرے گا تو یہ قول، عمل یا اعتقاد کفر ہے۔ مثلاً ایک شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ اللہ سے ڈرنا نہیں چاہئے یا اس سے دعا نہیں کرنی چاہئے یا اس سے مدد نہیں مانگنی چاہئے یا اس کے سامنے رکوع نہیں کرنا چاہئے (یا مذکورہ اعمال یا اُن میں سے کوئی بھی ایک اللہ کے لئے کرنا ضروری نہیں)، یا ان اعمال میں سے کسی عمل کے کرنے والے کا مذاق اڑائے، یا رکوع، سجود، روزہ، حج وغیرہ یا کسی بھی ایسے قول یا عمل کا مذاق اڑائے جسے شریعت نے عبادت کا درجہ دیا ہو تو یہ بھی کفر وارتداد ہے۔ اس لئے کہ ان اعمال کا یا

ان کے کرنے والے کا مذاق اڑانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص اللہ کو ان عبادات کا مستحق نہیں سمجھتا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو اللہ کو اور اس کے احکام کو قابلِ اطاعت نہیں سمجھتا یا اللہ کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ایک شریعت (قانون) ہے جو اس کی کتاب میں موجود ہے اور اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی ہے۔ اب جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ کی اس شریعت میں سے کوئی حکم ماننا ضروری نہیں ہے یا اس دور میں ان احکام پر عمل نہیں ہوسکتا یا اس جیسی کوئی بات کرتا ہے تو وہ شخص کافر شمار ہوگا۔ اس لئے کہ الوہیت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ حکم کرے اور شریعت بنائے۔

{إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ} (یوسف:۴۰)

”حکم کرنا صرف اللہ کا استحقاق ہے۔“

اور عبودیت کی خاصیت یہ ہے کہ وہ اطاعت وفرمانبرداری کرے۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو ان عبادات میں سے کسی عبادت کو غیر اللہ کے لئے ثابت مانے یا جو شخص خود کو عبادت کا مستحق سمجھ کر لوگوں کو اپنی عبادت بجالانے کا حکم کرے۔ ایسے شخص کی تصدیق کرنے والا بھی کافر ہوگا اور اس کی عبادت بجالانے والا بھی۔ وہ شخص بھی کافر ہے جو یہ پسند کرے کہ ان عبادات میں سے کوئی عبادت اس کے لئے بجالائی جائے اگرچہ کسی کو ایسا کرنے کا حکم نہ بھی کرے۔ جیسے کہ کوئی شخص یہ پسند کرتا ہو کہ اس سے مدد مانگی جائے۔ اس پر بھروسہ کیا جائے، اس سے ڈرا جائے یا اس سے امید رکھی جائے۔ (ایسا خوف اور امید جس طرح اللہ سے رکھی جاتی ہے، جو انسان کے قدرت سے باہر ہو۔ انسان کے اختیار میں جو قوت وغلبہ ہے اگر اس سے کوئی شخص ڈرتا ہے یا امید رکھتا ہے تو یہ کفر نہیں ہے) یا کوئی شخص یہ حکم کرے یا چاہت رکھے کہ اسے سجدہ کیا جائے یا اس کے سامنے جھکا جائے یا ایسا کوئی بھی کام جو صرف اللہ کے لئے کیا جانا خاص ہو وہ اپنے لئے کرنے کا حکم کرے یا خواہش کرے تو یہ کفر کے زمرے میں شامل ہوگا۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو یہ دعویٰ کرے کہ مجھے قانون و شریعت بنانے کا حق ہے اگرچہ اللہ کے احکام کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ یا یہ کہے کہ کیونکہ اُس کے پاس حکومت یا فیصلے کے اختیارات ہیں اس لئے اب اسے یہ حق حاصل ہے کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دے۔ مثلاً کوئی حکمران ایسے احکامات جاری کرے یا قوانین وضع کرے جن سے زنا، سود، بے پردگی کا جواز پیدا ہوتا ہو یا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کردہ حدود و سزاؤں میں تغیّر لازم آتا ہو یا زکوٰۃ کے لئے شریعت کے مقرر کردہ نصاب میں یا میراث، کفارہ اور عبادات وغیرہ میں تبدیلی آتی ہو تو اس طرح کے قوانین بنانے والا اور اس کو صحیح تسلیم کرنے والا دونوں کافر شمار ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ غیر اللہ کی الوہیت کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ }(نحل: ٣٦)

" ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا (جو انہیں یہ حکم کرتا تھا کہ) اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔"

دوسری مقام پر فرمایا:

{ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ }(بقرة: ٢٥٦)

"جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔"

مضبوط کڑے سے مراد لا الہ الا اللہ کی شہادت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کی عبادات کی غیر اللہ سے نفی کی جائے اور تمام عبادات کا مستحق صرف اللہ کو مانا جائے۔

اب اگر کوئی حکمران اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے یہ حق حاصل ہے کہ میں کتاب و سنت سے ثابت شدہ قوانین کے معارض قوانین بنا سکتا ہوں جن میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا جاتا

ہو تو ایسا حکمران کافر و مرتد ہے اس لئے کہ اس کا عقیدہ یہ بن چکا ہے کہ اس کے پاس اتنے اختیارات ہیں کہ وہ اللہ کی شریعت کی بجائے اپنی شریعت اپنے قوانین بنا سکتا ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر ہے۔ (بلکہ یہی شخص طاغوت ہے)

البتہ اس سے وہ قانون سازی مستثنیٰ ہے جس میں قرآن و سنت کی نصوص واضح نہیں ہیں یعنی قرآن و سنت میں کوئی قانون نہ ہو یا مجتہدین نے کسی مسئلہ میں اختلاف کیا ہو تو اس میں حکومت کو قانون سازی کا اختیار حاصل ہے بشرطیکہ قرآن و سنت کے معارض و مخالف نہ ہو۔ لہٰذا جو شخص ایسا کوئی قانون بنائے جس سے زنا، سود یا ہر وہ چیز یا عمل جسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہو اس کا جواز پیدا ہو رہا ہو تو ایسا قانون ساز بھی کافر ہے اور اس کے ساتھ اس عمل میں حصہ لینے والے بھی کافر ہیں۔ البتہ ایسا شخص جو ملکی معاملات یا لوگوں کی سیرت و کردار کو بہتر کرنے کے لئے قانون بناتا ہو یا اشیاء کی قیمتیں مقرر کی جاتی ہوں تو یہ جائز ہے کیونکہ یہ قرآن و سُنَّت کے مخالف نہیں ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اس سے بھی منع کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ حکومت کے لئے اشیاء کی قیمتیں مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر ان علماء کی بات صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ قیمتیں مقرر کرنا اجتہادی مسئلہ ہے اور بعض فقہاء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ حکمرانوں کو خلافِ قرآن و سنت قانون سازی کا اختیار حاصل ہے تو ایسا شخص بھی کافر ہے اور وہ شخص بھی کافر ہے جو خلافِ شرع فیصلے کرنے والوں سے اپنے فیصلے کرواتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا} (النسآء: ٦٠)

"کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کا یہ خیال ہے کہ وہ آپ پر اور آپ سے قبل نازل کردہ (کتب و شرائع) پر ایمان لائے ہیں مگر وہ چاہتے یہ ہیں کہ اپنے

فیصلے طاغوت سے کروائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ وہ طاغوت سے کفر کریں۔ شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بہت بڑی گمراہی میں مبتلا کر دے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

{اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ} (شوریٰ: ۲۱)

"کیا ان کے ایسے بھی شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین میں وہ قوانین بنا دیئے ہیں جن کی اجازت اللہ نے نہیں دی۔"

چوتھی قسم: رِسالَت یا صاحبِ رِسالَت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص

ہر وہ قول، عمل یا عقیدہ جو رسالت یا صاحبِ رسالت میں عیب و نقص پیدا کرنے یا اعتراض کا سبب ہو، انسان کے اسلام سے خارج کر دینے کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے کہ ایسا فعل، قول یا اعتقاد مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰه کی شہادت کے منافی ہے۔ اس شہادت کا مقصود یہ ہے کہ جو کچھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے وہ حق سچ ہے اور اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تمام صلاحیتوں اور صفات سے نوازا تھا جو رسالت کو مکمل طور پر پہنچانے کے لئے ضروری تھیں۔

اب اس شہادت کو ختم کرنے والے امور دو ہیں:

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانا۔

(۲) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں میں سے کسی بات کا انکار کرنا یا اُس پر اعتراض کرنا۔

پہلے امر میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اگر کوئی بھی عیب والی بات منسوب کر دی گئی تو یہ اس بات کی دلیل ہو گی کہ گویا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے لئے منتخب کر کے غلطی کی ہے۔ لہٰذا ہر وہ شخص کافر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

صداقت و دیانت یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت وصلاحیت اور عقل پر اعتراض یا اُس کا انکار کرتا ہے۔

وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کسی قسم کی گستاخی کرے۔

دوسرے امر میں یہ بھی شامل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کی خبر دی ہے ان میں سے کسی کا انکار کیا جائے۔ مثلاً بعثت (قیامت کے دن اٹھایا جانا)، میزان، حساب، پُل صراط، جنت، جہنم وغیرہ۔ جو شخص قرآن کی کسی آیت یا حکم کا انکار کرتا ہے وہ بھی کافر ہے اس لئے کہ قرآن کی جتنی آیات ہیں ان کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ سب اللہ کا کلام ہے۔ اب جو شخص بھی ان میں سے کسی ایک کا انکار کرتا ہے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتا ہے۔ اسی طرح قرآن و سنت سے ثابت شدہ کسی حکم کا انکار بھی کفر ہے۔ مثلاً کوئی شخص نماز یا زکٰوۃ کی فرضیت یا زنا و چوری کی حرمت کا انکار کرے یا کسی نماز میں رکعات کے اضافہ کا دعویٰ کرے یا بغیر وضو کے نماز کو جائز قرار دے تو ایسا شخص کافر کہلائے گا۔ البتہ کوئی شخص اگر ایسے حکم یا مسئلے کا انکار کرتا ہے جو زیادہ مشہور نہیں ہے اور صرف چند علماء کو اس کا پتہ ہے تو ایسا شخص کافر نہیں ہوگا۔ اسی طرح وہ شخص بھی کافر شمار نہیں ہوگا جو ایسے مسئلے کا انکار کرتا ہے جس میں مجتہدین کا اختلاف ہو اور اس پر اجماع نہ ہوا ہو۔

امام نووی شارح صحیح مسلم فرماتے ہیں:

> ”اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی ایسے مسئلے کا انکار کرتا ہے جس پر امت کا اجماع ہے اور وہ مشہور بھی ہے جیسے پانچ نمازیں، رمضان کے روزے، جنابت کا غسل، شراب اور زنا کی حرمت، ذی محرم سے نکاح کی حرمت وغیرہ (تو ایسا شخص کافر ہے)۔ ہاں اگر ایسا شخص نیا نیا مسلمان ہوا ہے اور وہ اسلام کی مکمل معلومات نہیں رکھتا اگر وہ لاعلمی کی بنیاد پر انکار کرتا ہے تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا۔ اگر مسئلہ ایسا ہو کہ اجماع تو اس پر ہو چکا ہے مگر یہ خواص کو (یعنی علماء کو) معلوم ہے جیسے چچی بھتیجی یا خالہ بھانجی کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا یا قتلِ عمد کا

مرتکب وراثت سے محروم ہوتا ہے یا دادی کے لئے میراث میں چھٹا حصہ ہے یا دیگر اس جیسے احکام میں سے کسی کے انکار پر کافر قرار نہیں دیا جاسکتا اس لئے کہ اس کو علم نہیں اور یہ مسئلے عوام میں مشہور بھی نہیں ہیں۔" (شرح صحیح مسلم، ج۱، صفحہ ۲۰۵)

وہ شخص بھی کافر شمار ہوگا جو قرآن کی کسی آیت یا قرآن کی غیب سے متعلق دی ہوئی کسی خبر کا انکار کرے چاہے وہ خبر ماضی سے متعلق ہو یا مستقبل سے۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بھیجے گئے رسولوں میں سے کسی کی رسالت کا انکار کرتا ہے۔ یا ان کی اقوام کے بارے میں جو قصے اور واقعات مذکور ہیں ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے۔ اسی طرح اللہ نے مخلوق کی ابتداء کی جو کیفیت ذکر کی ہے اسکا انکار کرے یا اپنی طرف سے کسی اور کیفیت کو بیان کرے جو قرآن کے بیان کے مخالف و متضاد ہو، یا جنات، شیاطین، کرسی، عرش، لوح، قلم وغیرہ یا قرآن نے کسی تاریخی شخصیت کا تذکرہ کیا ہو یا کسی کو رسول شمار کیا ہو ان میں سے کسی کا بھی انکار کرے وہ کافر کہلائے گا۔ یا کسی رسول کے بارے میں یہ اعتراض اٹھائے کہ یہ رسول بنائے جانے کا مستحق نہیں تھا یا یہ بات کرے کہ جن رسولوں کے نام قرآن میں ذکر ہیں ان کے علاوہ اور کوئی رسول یا نبی اللہ نے نہیں بھیجا۔

اسی طرح وہ شخص بھی کافر کہلائے گا جو قرآن کے اعجاز (معجزہ ہونے) کا انکار کرے۔ اس لئے کہ قرآن کا معجزہ ہونا اللہ کے کلام اور تاریخی واقعات سے ثابت ہے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والا اور اس دعوے دار کی تصدیق کرنے والا دونوں کافر ہیں اس لئے کہ قرآن نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین قرار دیا ہے۔

کفر پہ راضی رہنا اور اسلام سے راضی نہ رہنا بھی کفر ہے

گزشتہ سطور میں جو کچھ بیان ہوا وہ صرف چند مثالیں تھیں جن کا مقصد شہادتین کے ابطال کی صورتیں بتانا تھا یعنی وہ صورتیں جن سے کلمہ کا اقرار نا قابلِ اعتبار ٹھہرتا ہے۔ جبکہ ان کے علاوہ بھی کفر وارتداد کی صورتیں موجود ہیں جن سے شہادتین کی نفی ہوتی ہے اور توحید و رسالت کا انکار لازم آتا ہے۔ ان میں سے ایک صورت ہے کفر پہ رضامندی اور اسلام سے غیر رضامندی۔ مثلاً اگر کوئی شخص کلمہ شہادت کہنے والے کو کہے کہ تو نے جھوٹ بولا اور جو شخص کلمہ شہادت کا انکار کرے اس کو کہے کہ تو صحیح کہہ رہا ہے تو ایسے شخص کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے۔

اس طرح اور بہت سے الفاظ یا انداز ہیں تصدیق و تکذیب کے۔ ان میں سے کسی بھی لفظ یا طریقے سے اگر کسی نے شہادتین کی تکذیب اور اس کے منکر کی تصدیق کی تو وہ شخص خارج عن الاسلام شمار ہوگا ۔ان طریقوں میں سے چند ہم ذکر کئے دیتے ہیں۔

کفر پہ رضامندی کی مختلف صورتیں

ا۔ کافر، ملحد، مرتد، مشرک کو کافر نہ سمجھنا یا ان کے کفر میں شک کرنا یا کسی بھی کفریہ مذہب یا طریقے کو صحیح سمجھنا:

اگر کوئی شخص کسی جماعت، مذہب، گروہ، پارٹی میں سے کسی میں بھی واضح کفر دیکھتا ہے اور پھر بھی انہیں کافر نہیں سمجھتا یا ان کے بارے میں یہ کہے کہ ان کی بعض باتیں صحیح ہیں تو ایسا شخص بھی ان لوگوں کے کفر میں داخل اور ان جیسا شمار ہوگا۔

اگرچہ عمومی قاعدہ تو یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا مگر اس کی مزید وضاحت ضروری ہے تاکہ اچھی طرح چھان بین کے بعد کسی پر ارتداد یا کفر کا فتوٰی لگایا جائے۔ مذکورہ قاعدے کی رو سے کسی کو کافر گروہ میں شمار کرنا اور اس پر کفر و ارتداد کا فتوٰی لگانا اس وقت درست ہوگا جس ایسا شخص اس جماعت یا گروہ

کے کفریہ عقائد یا اعمال سے واقف ہو چکا ہو اور پھر بھی ان کی تکفیر یا تکذیب نہیں کرتا۔ اگر کسی گروہ کے عقائد و اعمال کے بارے میں واضح طور پر معلوم نہ ہو کہ یہ کفریہ ہیں یا نہیں اور ان کو کوئی شخص صحیح سمجھتا ہے یا انہیں غلط نہیں کہتا اور ان کی تکذیب نہیں کرتا تو ایسا شخص کافر شمار نہیں ہو گا بلکہ ایسے شخص کے سامنے اس جماعت، گروہ یا مذہب کے کفریہ عقائد و اعمال کی ایسی وضاحت کی جائے کہ وہ ہر طرح مطمئن ہو جائے اور اس کے دل میں اس گروہ یا مذہب کے کفر کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے۔ اب اس وضاحت و اطمینان کے بعد بھی اگر وہ ان کی تکذیب یا تردید نہیں کرتا تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کا عدم انکار و تردید اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ انہیں صحیح سمجھ رہا ہے۔ اسی طرح بعض مذاہب ایسے ہیں جن کا کفر مشہور و معروف ہے۔ ہر شخص ان سے آگاہ ہے جیسے یہود، عیسائی، مجوسی وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص ان مذاہب والوں کو کافر نہیں سمجھتا تو یہ شخص کافر شمار ہو گا۔ اس کے برعکس وہ گروہ اور مذاہب جن کا کفر عام لوگوں میں مشہور نہیں ہے تو ایسے مذاہب کی تردید نہ کرنے والے شخص پر کفر کا فتوٰی لگانے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ پوری تحقیق و اطمینان نہ کر لیا جائے اور ان مذاہب کے کفریہ اعمال یا عقائد کو طشت از بام نہ کر لیا جائے۔ خصوصاً ایسے گروہوں اور جماعتوں کے بارے میں تو بہت ہی احتیاط و تحقیق کی ضرورت ہے جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عوام الناس کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی مسئلہ یا عمل و عقیدہ اسلام کے خلاف نہیں ہے اور عوام کے سامنے ایسا کوئی کام نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ ان سے متنفر ہو جائیں اور ان کے کفریہ نظریات سے واقف ہو جائیں۔ اسی طرح کفر کا فتوٰی کسی شخص پر اس وقت لگایا جائے گا جب وہ کسی ایسے کام، قول یا عقیدے کا مرتکب و حامل ہو جس کے کفر ہونے پر اتفاق و اجماع ہے۔ اگر معتبر علماء کے ہاں کسی قول، عمل یا عقیدے کے کفر ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہو، بعض علماء اسے کفر سمجھتے ہوں اور بعض نہیں، تو ایسے عمل کے مرتکب کو کافر نہ سمجھنے والے کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔ جیسے خوارج یا اس جیسے اور فرقے جن کے کفر و ارتداد پر اتفاق نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص عمداً نماز چھوڑنے والے کو کافر نہیں سمجھتا تو ایسے شخص کو بھی کافر نہیں کہا جائے گا بشرطیکہ تارکِ نماز، نماز کی فرضیت کا منکر نہ ہو۔

جب یہ تمام شرائط مکمل ہو جائیں اور پھر کوئی مسلمان کسی کافر کو کافر نہ سمجھے یا ان کے عقائد و نظریات اور اعمال کو صحیح سمجھے تو یہ بھی انہی میں شمار ہو گا۔ گویا یہ بھی ان کی باتوں کا قائل اور معتقد ہے ۔ اور اب یہ ان عقائد کی وجہ سے شہادتین کی نفی کرنے والا شمار ہو گا۔ بالفاظ دیگر یہ شخص ان دلائل کا منکر ہے جن کی وجہ سے وہ جماعت کافر قرار دی گئی ہے لہٰذا ان دلائل کے انکار کی وجہ سے کافر کہلائے گا۔

۲۔ کفار سے دوستی اور ان کے دین پر ان کی موافقت کرنا:

آپ اس بات سے اچھی طرح واقف ہو چکے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کی شہادت کا مقصد ہے غیر اللہ سے استحقاقِ عبادت کی نفی کرنا اور عبادت کا مستحق صرف اللہ عزوجل کو سمجھنا۔ یہی مقصد قرآن کی اس آیت میں بیان ہوا ہے:

{اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاجۡتَنِبُوا الطَّاغُوۡتَ} (النحل: ۳۶)

"اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔"

لہٰذا اس کلمہ کی شہادت صرف اس بات کا تقاضا نہیں کرتی کہ عبادت کا مستحق اللہ کو مانا جائے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ غیر اللہ سے عبادت کی نفی کی جائے اور یہ نفی بایں طور ہو کہ مخلوق میں سے کسی کو بھی کسی قسم کی عبادت کا استحقاق نہ دیا جائے۔ اس بات پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ جبکہ کفار اللہ کو تو عبادت کا کماحقہ مستحق سمجھتے نہیں اور اس کے ساتھ شریک بھی کرتے ہیں۔ اس پر مستزادیہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اور ان پر اعتراضات کرتے ہیں اور بہت سے ایسے کام کرتے ہیں جو شہادتین کے منافی ہیں۔ یہ بھی ایسی بات ہے جس میں کسی مسلمان کو شک یا اختلاف نہیں ہے۔ جب یہ دو باتیں مسلَّم ہیں تو پھر ہر کلمہ گو مسلمان کو ان حدود کا علم ہونا چاہئے جو ایک کافر، مرتد، مشرک کے ساتھ تعلقات رکھنے میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں اور جن سے تجاوز کرنا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے۔ تاکہ اس طرح وہ اپنے ایمان، دین، معاملات و تعلقات کو صحیح حدود پر رکھ سکے

۔اور وہ یہ ہیں کہ مسلمان کسی مشرک، مرتد، کافر کے دین کی موافقت نہ کرے اور اس پر اپنی پسندیدگی کا اظہار نہ کرے۔ بلکہ اس سے نفرت کرے۔ جب کوئی مسلمان ان حدود کو پھلانگ جائے اور کفار کی اطاعت میں داخل ہو کر ان کے باطل دین کی موافقت کرے، ان کے ساتھ مالی یا دیگر قسم کا تعاون کرے، ان سے دوستی رکھے اور مسلمانوں سے تعلقات منقطع کر دے اور کفار کے ساتھ تعلقات کو مسلمانوں کے ساتھ تعلقات پر ترجیح دے اور مسلمانوں کی دوستی کو کفار کے ساتھ دوستی پر قربان کر دے تو ایسا شخص کفار میں سے ہی شمار ہو گا اور مرتد کہلائے گا۔ یہ ایسا کافر شمار ہو گا جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت ترین دشمن ہے۔ البتہ اس حکم میں مجبور شخص شامل نہیں ہے۔ مجبور سے مراد وہ شخص ہے جو کفار کے ملک میں ان کی حکومت کے ماتحت رہتا ہو اور وہ کفار اسے اپنے باطل دین یا اپنے غلط احکامات کی پابندی پر مجبور کر دیں، مخالفت کرنے پر اسے قتل کی دھمکیاں دیں یا اور کوئی سزا دیں تو ایسے میں اس شخص کے لئے جائز ہے کہ صرف زبانی طور پر ان لوگوں کی ہاں میں ہاں ملائے اور دل اپنے صحیح دین پر ہی مطمئن رکھے۔ اسی طرح قرآنی آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ شہادتین کے اقرار کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ کفار سے دوستی نہ کرے اور دینی امور میں ان سے دشمن کا برتاؤ رکھے۔ اسی طرح قرآن کی بہت سی آیات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایسا نہ کرنے والا شخص مرتد ہے۔ اب آپ اگر شہادتین کے معنی کو ان آیات کے مطالب کے ساتھ ملائیں تو یہ بات واضح ہو گی کہ یہ (ارتداد و کفر) حقیقی ہے اس میں تاویل کی گنجائش نہیں ہے (یعنی ایسے شخص کے کفر میں شک شبہ کی گنجائش نہیں ہے)۔ اس بارے میں قرآن مجید میں بہت ساری آیات ہیں جن میں سے ہم چند پیش کر رہے ہیں۔ فرمایا:

{لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَالِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً} (اٰل عمران: ۲۸)

"مسلمان مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو کوئی ایسا کرے تو اس کو اللہ سے کوئی تعلق نہیں، مگر اس حالت میں کہ تم بچاؤ کرنا چاہو۔"

اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو کفار کی دوستی، ان سے محبت و موَدت رکھنے سے منع کیا ہے۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر (یعنی مسلمانوں کی دوستی قربان کر کے) کفار سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابنِ جریر کہتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے:

”اے مؤمنو، کفار کو اپنا مددگار، اپنا سہارا نہ بناؤ کہ تم ان کے دین کے مددگار بن کر مسلمانوں پر انہیں غالب کرتے ہو اور مؤمنین کی مخالفت مول لیتے ہو۔ مؤمنین کے راز اُن کافروں تک پہنچاتے ہو۔ ایسا کرنے والے کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یعنی اللہ اس کے ارتداد و کفر کی وجہ سے اس سے بری و بیزار و لاتعلق ہے۔“ (طبری، ج٦)

اس آیت میں جو فرمایا ہے {إِلاَّ أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً} یعنی ”سوائے اسکے کہ تم ان سے بچاؤ کرنا چاہو۔“ تو اس کا معنی و مطلب وہی ہے جو دوسری آیت میں {إِلاَّ مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ} کا ہے۔ یعنی ”مگر جو شخص مجبور کر دیا جائے (کفریہ کلمات یا کفار کی حمایت پر) اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو (تو وہ شخص مرتد و کافر نہیں ہے) ۔“

یعنی اگر کوئی مسلمان مجبور ہو، کفار سے دشمنی کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو (اور ان کے ساتھ رہنے پر بھی مجبور ہو) تو وہ ظاہری دوستی و تعلقات رکھے مگر دل ایمان باللہ پر مطمئن رکھے اور دل میں ان کفار سے بغض و عداوت رکھے اور کفر سے نفرت کرے۔ ابنِ جریر فرماتے ہیں کہ (ایسی حالت میں) تم ان کی دشمنی ان پر ظاہر نہ کرو۔ البتہ ان کے ساتھ ایسی کوئی مدد نہ کرو جس کی وجہ سے کسی مسلمان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

دوسری آیت جس میں کفار کی دوستی سے ممانعت کی گئی ہے وہ اللہ کا یہ فرمان ہے:

{يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاَ تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَ النَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَّمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللهَ لاَ يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ، فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللهُ

اَنۡ یَّاۡتِیَ بِالۡفَتۡحِ اَوۡ اَمۡرٍ مِّنۡ عِنۡدِہٖ فَیُصۡبِحُوۡا عَلٰی مَاۤ اَسَرُّوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ نٰدِمِیۡنَ} (المآئدۃ: ۵۱۔۵۲)

”اے ایمان والو !یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ یہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اب جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے گا تو وہ انہی میں سے ہو گا۔ بیشک اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔ اب تو دیکھے گا ان کو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ دوڑ کر آتے ہیں ان کے پاس، کہتے ہیں کہ ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت نہ آجائے۔ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لے آئے یا کوئی حکم اپنے پاس سے بھیج دے تو یہ لوگ اپنے جی کی چھپی بات پر پچھتانے لگیں۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ جو اِن سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں سے شمار ہو گا۔ جس نے یہود سے دوستی کی وہ یہودی اور جس نے نصرانی سے دوستی کی وہ نصرانی کہلائے گا۔ اسی طرح جس کافر سے بھی دوستی کرے گا تو کفر میں اسی کی طرح ہو گا اس لئے کہ یہ شخص اس کے اعمال وعقائد پر راضی ہے لہٰذا کفر میں اسی کی طرح ہے۔

ابن ابی حاتم نے محمد بن سیرین سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں عبد اللہ بن عتبہ نے کہا کہ تم میں سے ہر شخص کو اس بات سے محتاط رہنا چاہئے اور بچنا چاہئے کہ کہیں وہ انجانے میں یہودی یا نصرانی نہ ہو جائے۔ تو ہم سمجھ گئے کہ ان کی مراد اس مذکورہ آیت سے ہے جس میں یہودی و نصاریٰ سے دوستی کرنے والے کو بھی انہی میں سے شمار کیا گیا ہے۔ یہ لوگ یہود و نصاریٰ سے دوستی کو مجبوری خیال کرتے ہیں اس لئے کہ ان کو یہود کی طاقت، ان کے مال اور دنیاوی جاہ و حشمت کا خوف ہے۔ یہ مجبوری اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر آپ ان لوگوں کی اس دلیل پر غور کریں گے تو آپ پر خود ہی واضح ہو جائے گا کہ کون سی بات مجبوری ہے اور کونسی نہیں ہے (یعنی یہ کوئی عذر یا مجبوری نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ کے پاس طاقت، مال، دولت، حکومت ہے اس لئے ان سے دوستی رکھنا ضرورت یا مجبوری ہے)

{تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ فِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ، وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ النَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ } (المآئدۃ: ۸۰۔۸۱)

"آپ دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے لوگ ان کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ کیا ہی برا سامان بھیجا ہے انہوں نے اپنے لئے وہ یہ کہ اللہ کا غضب ہوا ان پر اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والے ہیں۔ اگر وہ یقین رکھتے اللہ پر اور نبی اپر اور جو نبی اپر اترا، تو کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں بہت سے لوگ نافرمان ہیں۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ اللہ اور اس کے نبی پر ایمان کافروں کی دشمنی سے وابستہ اور مربوط ہے۔ ان سے دوستی عدمِ ایمان کی نشانی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتادیا ہے کہ کافروں سے دوستی رکھنے والے اللہ کے غضب اور مستقل عذاب کے مستحق ہوں گے۔ یہ بھی بتایا کہ کافروں سے مؤمن کبھی دوستی نہیں کرتا بلکہ اہلِ ایمان تو ان سے دشمنی کیا کرتے ہیں۔

ان آیات میں غور کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی نہ کرنے کو شہادتین کے معنی میں داخل رکھا ہے اور آیت میں اللہ اور نبی ااور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان کا جو ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی شہادتین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ، الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا } (النسآء: ۱۳۸ ۔۱۳۹)

"منافقین کو بتادو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور جو لوگ مؤمنوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرتے ہیں کیا یہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں ؟(تو جان رکھو کہ) عزت تو ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں سے دوستی کو منافقوں کی اہم خصوصیت قرار دیا ہے۔ ارشادِ ربّانی ہے:

{لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ} (مجادلہ: ۲۲)

"آپ کسی ایسی قوم کو نہیں پائیں گے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور (پھر) وہ ان لوگوں سے دوستی بھی رکھتی ہو جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتے ہیں۔ چاہے وہ (اللہ، رسول کے دشمن) ان (مؤمنوں) کے باپ ہوں، بیٹے ہوں، بھائی ہوں یا (دیگر) رشتہ دار ہوں۔"

اس آیت میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ کوئی بھی مؤمن کسی کافر سے دوستی کرتا ہوا نہیں ملتا۔ لٰہذا جو کافروں سے دوستی کرتا ہے وہ مؤمن نہیں ہوتا۔ دوسری بات اس آیت سے یہ واضح ہوتی ہے کہ جب اپنے کافر باپ، بیٹے، بھائی، رشتہ دار سے دوستی کسی مؤمن کے لئے روا نہیں ہے تو پھر دیگر کفار سے دوستی کرنے والا تو بدرجۂ اولیٰ کافر ہے۔ ارشاد ہے:

{اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ وَاَمْلٰى لَهُمْ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ۔ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ} (محمد: ۲۵-۲۸)

"جو لوگ پیٹھ کے بل پھر گئے اس کے بعد کہ ان پر سیدھی راہ راضح ہو چکی۔ شیطان نے ان کو خوبصورت باتیں بتائیں اور دیر کے وعدے کئے۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہا ان لوگوں سے جو بیزار ہیں اللہ کی اتاری ہوئی کتاب سے۔ کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری بات بھی مانیں گے۔ اللہ خوب جانتا ہے ان کی پوشیدہ باتیں۔ پھر کیسا حال ہو گا جب فرشتے ان کی

جانیں نکالیں گے۔ ان کے منہ اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔ یہ اس لئے کہ وہ چلے اس راہ پر جس سے اللہ بیزار ہے اور انہوں نے ناپسند کی اس (اللہ) کی خوشی تو اس نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔"

اس آیت میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ان کے مرتد و کافر ہونے کا سبب ان کا یہ قول ہے جو انہوں نے کافروں سے کہا تھا کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری بات بھی مانیں گے لہٰذا جو ہدایت انہوں نے حاصل کی تھی اس نے انہیں کوئی فائدہ نہیں دیا جب انہوں نے اسلام سے نفرت کرنے والے اللہ کے دشمن کافروں سے ان کی بات ماننے کا وعدہ کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

{ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ } (النسآء: ۱۴۰)

"تم پر کتاب میں یہ بات نازل کر دی گئی ہے (تمہیں حکم دیا گیا ہے) کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے یا ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو جب تک کہ وہ دوسری باتیں نہ شروع کر دیں (اگر تم پھر بھی بیٹھے رہے) تو تم انہی جیسے ہو گے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ مؤمن اس جگہ نہیں بیٹھتے جہاں اللہ کی آیات و احکام کا انکار کیا جاتا ہو یا ان کا مذاق اڑایا جاتا ہو۔ اگر کوئی شخص ایسے کافروں یا مذاق کرنے والوں کے ساتھ بیٹھے گا تو وہ بھی ان جیسا ہو گا۔ حالانکہ یہ حکم اس وقت تھا جب شروع اسلام میں شہر بھی کافروں کا تھا اور مسلمان وہاں رہنے پر مجبور تھے۔ اب جبکہ اپنے ملک اور شہر ہیں، ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور دوستی کی مجبوری بھی نہیں تو اب کافروں کو اپنے شہروں میں بلانے والے، ان سے محبت و دوستی کی پینگیں بڑھانے والے، انہیں مشیر بنانے والے (جب کہ وہ اپنے کفریہ نظریات پر قائم ہیں اور اللہ کے احکامات کے ساتھ استہزاء بھی کر رہے ہیں) اور علماء کو ملک بدر کرنے والے کیا کافر نہیں کہلائیں گے؟ حالانکہ ان کے اس طرزِ عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ کفر اور کفار کو پسند کر رہے ہیں۔ اس طرح کا طرزِ عمل ان کو ایمان

سے دور اور کفر میں داخل کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ کفار کی مجلس میں خاموشی ان کی موافقت کی دلیل ہے۔

لہٰذا ہر مؤمن پر واجب ہے کہ ایسے ہر عمل سے اسی طرح محتاط رہے جس طرح کہ کفرِ صریح سے بچنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح کی مجالس سے دور رہے تاکہ اللہ کے عذاب سے محفوظ رہ سکے۔ دنیاوی مال دولت یا دیگر اغراض کو اس بارے میں رکاوٹ نہ بننے دے۔

کفار سے دوستی کا معنی

یہ تو چند آیات تھیں جو کفار و مشرکین سے دوستی کرنے کے رد میں بطور نمونہ پیش کی گئیں جبکہ ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے دوستی شہادتین کے مقاصد کے منافی ہے۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ دوستی کا مفہوم تو بہت وسیع ہے اس میں بہت سے ایسے امور بھی آجاتے ہیں جن کے بغیر رہا نہیں جا سکتا اور مجبوراً کفار سے تعلق رکھنا پڑتا ہے لہٰذا (کفار سے) دوستی کی ایسی کوئی تعریف ہونی چاہئے کہ جسے ہم ایک معیار قرار دے دیں اور جس کی بنیاد پر ہم کسی کو کافر یا مسلم قرار دے سکیں۔ اس لئے کہ اسلام میں کسی مبہم و غیر واضح عمل یا قول پر کسی کو کافر قرار نہیں دیا جاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی مبہم چیز سے منع نہیں کرتا بلکہ باقاعدہ وضاحت کرتا ہے۔ تعریف، شرائط، حدود بیان کرنے کے بعد حرام قرار دیتا ہے۔ اگر بغیر تعریف اور وضاحتِ امر کے اللہ کسی چیز کا حکم کرے یا منع کرے تو اس حکم پر عمل کرنا مشکل ہو گا اور اللہ کا ایسا حکم بے فائدہ رہے گا کیونکہ اس کی اطاعت ممکن نہیں ہو گی۔ (جبکہ اللہ کا ہر حکم ایسے عیوب سے پاک ہے) لہٰذا ضروری ہے کہ تعلقات اور دوستی کی جامع مانع تعریف کر لی جائے اور پھر اس سے منع کیا جائے۔ عربی میں دوستی اور تعلقات کے لئے لفظ مَوَالَاۃٌ استعمال ہوتا ہے جو کہ وِلَآءٌ سے مشتق (ماخوذ) ہے جس کا معنی نزدیکی و قربت ہے۔ لفظ ولایۃ، عداوت (دشمنی) کی ضد ہے۔ وَلِیٌ، عَدُوٌّ کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔ وَلِیٌ کا معنی دوست، عَدُوٌّ کا معنی دشمن ہے۔ اس معنی کی رو سے مؤمن اللہ کے اور کافر

شیطان کے دوست ہیں۔ اس لئے کہ مؤمن اللہ کی عبادت و اطاعت کر کے اس کا قرب حاصل کرتے ہیں جبکہ کافر شیطان کی اطاعت کر کے اس کے قریب اور اللہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ شیطان کی اطاعت میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے اور اس کے احکام کی مخالفت ہوتی ہے۔ اس تشریح سے یہ بات معلوم ہوتی کہ ''کفار کے ساتھ مَوَالاۃ'' سے کفار کا قرب اور ان سے محبت و دوستی کا اظہار مراد ہے چاہے کسی عمل سے ہو یا قول سے۔ اسی طرح کفار سے دوستی کے زمرے میں جو امور آتے ہیں ان کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے مثلاً:

ا۔ کفار کی خواہشات کی پیروی:

{ وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلاَ النَّصَارٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَ هُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَ كَ مِنَ الْعِلْمِ مَالَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلاَ نَصِيْرٍ } (البقرۃ: ۱۲۰)

''یہود و نصاریٰ آپ اسے کبھی راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے دین کی اتباع نہ کر لیں اور اگر آپ نے علم آجانے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی طرف سے نہ آپ کا کوئی دوست ہو گا اور نہ کوئی مددگار و حمایتی۔''

یہود و نصاریٰ کی اطاعت سے مراد ہے ان کے حکم و مشوروں پر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ } (آل عمران: ۱۴۹)

''اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر دیں گے پھر جا پڑو گے تم نقصان میں۔''

اور فرمایا:

{ وَلاَ تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا } (الکہف: ۲۸)

''اس کا کہا مت مان جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے۔''

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

{وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ} (الأنعام: ۱۲۱)

''اور شیاطین اپنے رفیقوں کے دل میں بات ڈالتے ہیں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔''

۲۔ ان کی طرف جھکاؤ، میلان رکھنا:

{وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ} (ہود: ۱۱۳)

''ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں آگ آ لگے گی۔''

جھکاؤ سے مراد ہے ان کی باتوں پر راضی ہونا۔ ان کی باتوں یا اعمال کی تائید یا تحسین کرنا، دین کے معاملات میں ان کے سامنے سستی کا مظاہرہ کرنا۔

{وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ} (القلم: ۹)

''وہ چاہتے ہیں کہ آپ کچھ ڈھیلے پڑ جائیں تو وہ بھی لچک کا مظاہرہ کریں گے۔''

۳۔ ان سے محبت کا اظہار کرنا:

{لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ} (مجادلہ: ۲۲)

''آپ کوئی ایسی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو اور پھر وہ اللہ اور رسول کے دشمنوں سے محبت بھی کرتی ہو۔''

اسی طرح کفار کی عزت کرنا، ان کا قرب حاصل کرنا، اہم ملکی یا نجی معاملات میں ان سے مشورے لینا، اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف کفار سے مدد لینا، ان کے ظالمانہ کاموں میں ان کی مدد و حمایت کرنا، ان کے اعمال کی مشابہت یعنی ان کی نقالی کرنا، ان کے اختیار کردہ فیشن اپنانا، ان کے کھانے پینے، رہن سہن کے طور طریقے اختیار کرنا، ان کے قوانین و دیگر احکامات کو عارضی طور پر امت کی اصلاح و تربیت کے لئے اپنانا، یہ سب کفار کی دوستی و محبت میں شمار ہوں گے۔

کفار کی مدد میں یہ امور داخل ہیں: ان کی تنظیموں میں شامل ہونا، ان کے ساتھ مخلوط حکومت بنانا، ان کے خفیہ اداروں میں شامل ہو کر جاسوسی کرنا خصوصاً مسلمانوں کی خفیہ معلومات ان تک پہنچنے کا ذریعہ بننا، ان کے ساتھ مل کر یا ان کی فوج میں شامل ہو کر جنگ کرنا، ان کو امانت دار سمجھنا (ان کے بنکوں کو قابل بھروسہ سمجھ کر ان میں اپنا پیسہ رکھنا) جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خائن کہا ہے۔ اپنے اہم مراکز، اداروں کی سربراہی کسی غیر مسلم کو دینا، یا اہم عہدوں پر کفار کو تعینات کرنا، خصوصاً مسلم فوج میں یا دیگر حساس و اہم ملکی اداروں میں ان کو بھرتی کرنا۔

اسی طرح اس دوستی و محبت میں یہ بھی داخل ہے کہ ان کے افکار و آراء، ان کے معمولاتِ زندگی کو بہترین سمجھنا اور دوسروں کو ان معمولات کو اپنانے کی ترغیب دینا، ان کے ماہرین کو مسلم ماہرین پر ترجیح دینا۔ اب جس شخص یا قوم میں یہ تمام مذکورہ باتیں یا ان میں سے کچھ پائی جائیں اور ان کو اپنی عادت بنالے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ شخص یا قوم کافروں کے کفریہ اعمال پر راضی و خوش ہے لہٰذا یہ شخص ان کی طرح بلکہ ان میں سے شمار ہوگا اور جب تک اپنے ایمان کی تجدید نہ کرلے اور ان امور سے چھٹکارا حاصل نہ کرلے اس وقت تک وہ انہی میں سے کہلائے گا۔

اس بارے میں کون سا عذر قابلِ قبول ہے؟

کفار سے دوستی و تعلق رکھنے والے بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے ملک یا جان و مال کا ان کفار سے خطرہ لاحق ہے اس لئے مجبوراً ان سے اچھے تعلقات رکھنے پڑرہے ہیں۔ یہ ایسا عذر ہے

جو اللہ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہے یہ صرف شیطان کا بہکاوا اور مال و دولت کی محبت ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار سے دوستی، ان کے دین کی موافقت اور ان کی پیروی کے سلسلے میں صرف ایک عذر قبول کیا ہے جسے اِکْرَاہ (جبر کی حالت) کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

{مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ، ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ} (النحل: ١٠٦-١٠٧)

”جس نے ایمان لانے کے بعد اللہ سے کفر کیا سوائے اس کے جس پر زبردستی کی گئی اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہے (یہ تو مستثنیٰ ہے) لیکن جو کوئی دل کھول کر منکر ہوا تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر عزیز رکھا۔ اور بیشک اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔“

دوسری جگہ ارشاد ہے:

{لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً} (آل عمران: ٢٨)

”مومن کافروں کو دوست نہ بنائیں مومنین کو چھوڑ کر۔ اور جو کوئی ایسا کام کرے تو اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں مگر اس حالت میں کہ تم اُن سے بچاؤ کرنا چاہو۔“

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اِکْرَاہ اس وقت تسلیم و معتبر نہیں ہے جب اس میں دل کی رضامندی، کفار کی طرف باطنی میلان یعنی کوئی خفیہ تعلق یا کوئی غرض ہو۔ اس طرح کی کیفیت پر اِکْرَاہ کا اطلاق ہی نہیں ہوتا کیونکہ اللہ نے اکراہ کے لئے وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ کی شرط لگائی ہے۔ اس لئے کہ جسم پر زبردستی کی جاسکتی ہے، اسے مجبور کیا جاسکتا ہے مگر کسی کے دل کو کسی بات پر آمادہ کرنے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اِکراہ (زبردستی، جبر) صرف زبان اور جسمانی افعال تک ہی ہے

لہٰذا جو شخص (خواہ اِکراہ کی حالت میں) دلی طور پر کفار سے دوستی کرتا ہے یا ان کی طرف مائل ہے تو ایسا شخص کافر شمار ہوگا۔ ایسے شخص کی زبان یا عمل سے اگر کفار کی دوستی ظاہر ہوتی ہے تو دنیا میں اس کے ساتھ کفار والا معاملہ کیا جائے گا اور آخرت میں ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا اور اگر زبان یا عمل سے کفار سے دوستی کا اظہار نہ کرے، بظاہر مسلمان بن کر رہے تو اس کا مال اور خون مسلمانوں کی طرح محفوظ رہے گا مگر منافق ہونے کی بنا پر جہنم کے سب سے نچلے درجے میں رہے گا۔

اکراہ کی معتبر صورت

اس مقام پر اکراہ کی وہ صورت بیان کرنا ضروری ہے جسے شریعت میں معتبر سمجھا جاتا ہے۔ اس بارے میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ''میں نے مذاہب میں غور و فکر کیا تو اکراہ کی صورتوں میں اختلاف پایا اور یہ اختلاف مجبور کرنے والے کی وجہ سے ہے۔ مثلاً کلمۂ کفر کہنے میں وہ اکراہ معتبر نہیں ہے جو ہبہ وغیرہ میں معتبر ہے۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر بیان کیا ہے کہ کفر پر اکراہ صرف وہی معتبر ہے جو سزا کے ذریعہ سے ہو۔ صرف زبانی طور پر کسی کو مجبور کر کے کلمۂ کفر نہیں کہلوایا جا سکتا اگر کسی نے ایسی مجبوری کی وجہ سے کفریہ کلمہ کہا تو یہ معتبر نہ ہوگا۔ کلمۂ کفر اس صورت میں کہے گا جب اسے قید یا قتل یا اس جیسی اور کوئی دھمکی دی گئی ہو (جس پر عملدرآمد ہونے کا پورا امکان ہو)۔ اس فرق کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ اگر ایک عورت نے اپنا مہر اپنے شوہر کو ہبہ (معاف) کر دیا مگر پھر اس نے اپنی بات سے مکرنا چاہا مگر یہ سوچ کر چپ رہی کہ کہیں مہر طلب کرنے پر شوہر طلاق نہ دے دے یا اس کی زندگی تلخ نہ بنا دے تو یہ بھی اکراہ اور مجبوری ہے اور ایسے معاملات میں معتبر ہے۔ مگر کفر کرنے کے لئے ایسی مجبوری کافی نہیں ہے مثلاً اگر کوئی قیدی اس بات سے ڈرتا ہو کہ اگر میں نے کفر نہ کیا تو یہ لوگ میری شادی نہیں ہونے دیں گے یا میرے اور میری بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیں گے تو اس بنیاد پر اسے کفر کرنے کی اجازت نہیں ہے، خواہ اس کی شادی رکتی ہو یا بیوی سے علیحدگی ہوتی ہو۔

امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ کی یہ رائے ہے جس کی تائید وحمایت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کی ہے کہ مجبور آدمی کلمۂ کفر اس وقت کہے گا جب اتنا مجبور کر دیا جائے کہ اسے مارا پیٹا جائے یا قتل کرنے کے درپے ہوں۔ اس سے کم کوئی معاملہ ہو مثلاً نوکری جانے، عہدے سے معزولی یا دیگر مالی نقصان ہو یا ملک یا بال بچوں کا معاملہ ہو تو یہ مجبوری قابلِ قبول نہیں ہے۔

ان دونوں ائمہ رحمہم اللہ کی رائے کی تائید سابقہ دلائل سے بھی ہوتی ہے جن میں کفار کی دوستی سے منع کیا گیا ہے اور اس دوستی کو کفر وارتداد کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ ایک اور آیت ہم یہاں پیش کر رہے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ دنیا کی محبت ومنافع کے لئے کفار سے دوستی کرنے والے کو اللہ کے ہاں کسی کی کوئی سفارش فائدہ نہیں دے گی اگر یہ دوستی اس کو کفر کے زمرے میں لانے یا کفریہ عمل کرنے کا سبب بنتی ہو۔ ارشاد ہے:

{ذَالِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَ اَنَّ اللهَ لاَ يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِيْنَ} (النحل: ۱۰۷)

''یہ (کفار سے دوستی) اس لئے ہے کہ ان لوگوں نے دنیا کو آخرت کے مقابلے میں پسند کر لیا ہے بے شک اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔''

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو اللہ کے مقابلے پر اپنے باپ بھائیوں کو دوست بناتے ہیں۔

{يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لاَ تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآئَ كُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ} (التوبۃ: ۲۳)

''ایمان والو، اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست مت بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہوں۔ جس نے بھی تم میں سے انہیں دوست بنایا، تو (جان رکھو کہ) ایسے ہی لوگ ظالم ہیں۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں، قرابت داروں سے تعلقات رکھنے کو بھی عذر تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی نفی کر دی ہے کہ کوئی شخص یہ مجبوری پیش نہ کر سکے کہ کفر کو پسند کرنے والے سے تعلق اس لئے رکھنا پڑ رہا ہے کہ وہ میرا باپ ہے یا بھائی ہے۔ جب باپ، بھائی، بیٹے کی محبت کو عذر و مجبوری تسلیم نہیں کیا گیا ہے تو پھر دنیاوی مال ومتاع کو کیسے عذر مانا جائے۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ قسم کے عذر کو بھی بیکار و بے فائدہ قرار دیا ہے جو عموماً لوگوں کے ہاں تسلیم شدہ ہیں اور جن کی بنا پر اللہ ورسول کی محبت واطاعت میں کمی وسستی کی جاتی ہے۔ فرمایا:

{قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اِقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ} (التوبۃ: ۲۴)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ، بیٹے، بھائی، بیویاں، برادری اور مال جو تم نے کمایا اور تجارت جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور حویلیاں جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو زیادہ محبوب ہیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو انتظار کرو یہاں تک کہ بھیج دے اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب)۔ اور اللہ تعالیٰ راستہ نہیں دکھاتا نافرمان لوگوں کو۔"

اسی طرح جن لوگوں نے کسی مصیبت و پریشانی اور یہود و نصاریٰ کی کسی سازش کے ڈر سے ان سے دوستی کرنے کو مجبوری کہا تو اللہ نے ان کا یہ عذر بھی قبول نہ کیا۔ فرمایا:

{يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَّمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ} (المآئدۃ: ۵۱-۵۲)

"ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ۔ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ بیشک اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری (نفاق) ہے کہ ان (یہود و عیسائیوں) کی طرف دوڑ دوڑ کے (دوستی کے لئے) جاتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہم کسی گردش میں نہ آجائیں۔"

موجودہ دور میں یہی حال اکثر مرتدین کا ہے۔ انہیں بھی یہودیوں کی سازشوں کا ڈر ہے اس لئے ان سے اچھے تعلقات رکھنا چاہتے ہیں۔ سابقہ اور موجودہ دونوں قسم کے مرتدین کا عذر بھی ایک جیسا ہے۔ یہ بھی وہی عذر پیش کر رہے ہیں جو پہلے کے لوگ کر رہے تھے۔ یہ بھی سازش سے ڈرتے ہیں وہ بھی ڈرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ہم ان سے دوستی کیوں نہ کریں ان کے پاس طاقت ہے بلکہ سپر طاقت ہے ہم ان کی دشمنی مول لے کر ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے (اگرچہ اس دوستی کے لئے انہیں دین وعقیدہ قربان کرنا پڑے)۔

کبھی کہتے ہیں ہم اس سپر پاور کی ترجیحات سے کیسے لاتعلق رہیں جس کی طاقت و عظمت کی پوری دنیا قائل ہے۔ اگرچہ اس طاقت کی ترجیحات میں مسلمانوں کا قتل، ان کے اتحاد کو ختم کرنا، ان کے اخلاق بگاڑنا، ان کو دین اسلام سے دور کرنا، انہیں اپنے ملکوں، علاقوں، گھروں سے نکالنا سرِ فہرست ہو پھر بھی ان سے دوستی کی جائے؟ کسی غیرت مند مسلمان کے لئے یہ کیسے ممکن ہے؟ کبھی کہتے ہیں ہم اس جگہ ایک لمحہ بھی نہیں رہ سکتے جہاں اس طاقت کی حکمرانی یا عمل دخل ہے اگر ہم انکی حمایت نہ کریں ۔اس لئے کہ ان کی مخالفت کر کے ہم اپنے گھروں کو قربان نہیں کر سکتے ، اپنا ملک نہیں چھوڑ سکتے۔ حالانکہ یہ خوف کسی سپر پاور سے نہیں بلکہ اللہ سے رکھنا چاہئے۔ اگر کوئی شخص اس طرح کا خوف غیر اللہ سے رکھے گا تو یہ کفر کہلائے گا۔ اس طرح یہ لوگ دو مرتبہ کافر بنتے ہیں ایک تو کفار سے دوستی کر کے اور دوسرے ان کی عبادت کر کے۔ یعنی وہ خوف اور ڈر جو صرف اللہ سے رکھنا چاہئے وہ ان کفار سے رکھ کے ان کی عبادت کے مرتکب ہوئے۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ کے ہاں کفار سے دوستی کرنے والے کا کوئی عذر قابلِ قبول نہیں ہے سوائے اس شخص جس کا حال عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ جیسا ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

{ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ }

"جسے مجبور کر دیا گیا(کلمہ کفر کہنے پر) اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجبور شخص کفار کے قبضہ وطاقت میں ہو اور وہ لوگ اس پر مکمل اختیار رکھتے ہوں تو ایسے میں اگر اسے مجبور کر دیا جائے تو اسے رخصت ہے کہ خلافِ ایمان و اسلام عمل یا قول اس سے سرزد ہو۔ مگر جب کفار کی سزا اور تسلط ختم ہو جائے تو پھر مجبوری بھی ختم ہو جائے گی۔ اگر وہ لوگ دوبارہ سزا دیں تو پھر رخصت بھی دوبارہ مل جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ے عمار رضی اللہ عنہ سے کہا تھا((فَاِنۡ عَادُوۡا فَعُدۡ)) "اگر وہ پھر ایسا کریں تو تم بھی ویسا ہی کرنا۔" ابنِ قدامہ کہتے ہیں:"جب یہ ثابت ہوا کہ مجبور شخص کو کافر نہیں کہا جائے گا تو جب بھی اس کی مجبوری ختم ہو گی وہ اپنے اسلام کا اظہار کرے گا۔ جب وہ اسلام کا اظہار کر لے گا تو وہ اسلام پر باقی رہے گا۔ اور اگر مجبوری ختم ہونے کے بعد بھی اس نے کفر کا اظہار کیا تو وہ کافر شمار ہو گا۔ اس لئے کہ یہ اس بات کا ثبوت ہو گا کہ اس نے مجبور ہو کر نہیں بلکہ دلی اطمینان کے ساتھ کفر اختیار کیا ہے۔" (المغنی، ج۹، صفحہ ۲۴)

البتہ اگر کوئی شخص مجبور کئے جانے کے باوجود بھی کلمۂ کفر نہیں کہتا، نہ کفار سے دوستی کرتا ہے، نہ ان کے دین کی موافقت کرتا ہے یہاں تک کہ اس کی جان چلی جاتی ہے تو اس شخص کو فضیلت حاصل ہے بنسبت اس کے جو مجبور ہو کر کفریہ الفاظ کہتا ہے یا عمل کرتا ہے۔ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((قَدۡ كَانَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ يُؤۡخَذُ الرَّجُلُ فَيُحۡضَرُ لَهٗ فِي الۡاَرۡضِ فَيُجۡعَلُ فِيۡهَا ثُمَّ يُؤۡتٰى بِالۡمِنۡشَارِ فَيُوۡضَعُ عَلٰى رَاۡسِهٖ فَيُجۡعَلُ نِصۡفَيۡنِ وَ يُمۡشَطُ بِاَمۡشَاطِ الۡحَدِيۡدِ مَا دُوۡنَ لَحۡمِهٖ وَعَظۡمِهٖ مَا يَصُدُّهٗ ذَالِكَ عَنۡ دِيۡنِهٖ)) (بخاری)

"تم سے پہلے جو لوگ (مسلمان) تھے ان میں کسی آدمی کو پکڑ لیا جاتا تھا پھر زمین میں گڑھا کھود کر اس میں (آدھا) دبا دیا جاتا پھر اس کے سر پر آری رکھ کر درمیان سے دو حصوں میں کاٹ دیا جاتا تھا اور (مسلمان کو) لوہے کی کنگھی سے چھیلا جاتا تھا یہاں تک کہ گوشت چھل جاتا، ہڈیاں ظاہر ہو جاتیں مگر یہ (سختیاں) اسے اپنے دین سے نہیں پھیر سکتی تھیں۔"

اس کی تائید اصحاب الأخدود کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس کا تذکرہ احادیث میں موجود ہے کہ خندقیں کھود کر اس میں آگ جلائی گئی اور پھر مؤمنوں کو اس میں ڈال کر جلا دیا گیا مگر وہ بھڑکتی ہوئی آگ سے بھری خندقیں ان مؤمنین کو اپنے دین سے نہ ہٹا سکیں اور اس طرح انہوں نے اپنی جانوں کی قربانی دے دی مگر دین پر ثابت قدم رہے۔ قرآن مجید میں اس کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:

{قُتِلَ اَصحَابُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ اِذۡ ہُمۡ عَلَیۡہَا قُعُوۡدٌ ۙ وَّ ہُمۡ عَلٰی مَا یَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ شُہُوۡدٌ} (البروج: ۴-۷)

"مارے گئے کھائیاں کھودنے والے۔ آگ تھی بہت ایندھن والی جب وہ اس پر بیٹھے اور جو کچھ وہ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے تھے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔"

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی شخص کو مجبور کر دیا جائے اور وہ موت کو ترجیح دے تو اس کا اجر رخصت پر عمل کرنے والے سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر قرطبی ،ج ۱، صفحہ ۱۸۸)

اسلام کی ناپسندیدگی کی چند صورتیں

یہاں ہم اسلام سے نفرت، یا اس سے کراہت و ناپسندیدگی کی دو صورتیں ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے آدمی کفر وارتداد کی طرف چلا جاتا ہے حالانکہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل ہوتا ہے اور خود کو مسلمان کہتا ہے۔

ا۔ کسی ایسی چیز کا مذاق اڑانا جس کا دینِ اسلام سے واضح تعلق ہو، اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ یا اس کے رسول یا کتاب اللہ یا مؤمنین کا ایمان کی وجہ سے مذاق اڑانا دین سے خروج کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے:

{قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ} (التوبۃ: ٦٥-٦٦)

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کیا تم اللہ سے، اس کے رسول سے اور اس کے احکام سے مذاق کرتے ہو؟ بہانے مت بناؤ تو کافر ہو گئے اظہار ایمان کے بعد۔ اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعض کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو، اس وجہ سے کہ وہ گناہ گار تھے۔"

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ غزوۂ تبوک میں ایک آدمی نے کہا کہ ہم نے ان قاریوں سے بڑھ کر کوئی جھوٹا، بزدل اور کھانے کا شائق اور کوئی نہیں دیکھا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قراء صحابہ کرام)۔ جناب عوف رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو تم منافق ہو میں یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور بتاؤں گا۔ عوف رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانے کے لئے گئے تو قرآن نے ان سے پہلے نازل ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری صورتحال بتادی تھی۔ لہٰذا وہ (منافق) آدمی اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور معذرت کرنے لگا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو صرف مذاق کر رہے تھے اور صرف وقت گزارنے کے لئے باتیں کر رہے تھے کہ ایسی بات منہ سے نکل گئی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ گویا اب بھی میں اس آدمی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے تسمے کو تھامے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ اس کے پاؤں زمین پر گھسٹ رہے تھے اور وہ کہتا جا رہا تھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم صرف مذاق کر رہے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف التفات کیے بغیر

بس یہ فرمارہے تھے:((اَبِاللّٰہِ وَ اٰیَاتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَھْزِءُوْنَ))''مذاق کے لئے تمہیں اللہ ، رسول اور اس کے احکامات ہی ملے ہیں؟'' (ابن کثیر، جلد ۲۔ صفحہ ۳۶۷)

دین کے ساتھ استہزاء و مذاق کی اور بھی بے شمار صورتیں ہیں۔ سب کا مقصد دینِ اسلام کی توہین اور اس پر ناپسندیدگی کا اظہار ہے۔ مذاق کبھی زبان سے، کبھی اپنے عمل سے اڑایا جاتا ہے۔ کبھی آنکھ اور کبھی زبان کے اشارے سے، کبھی ہونٹوں کو بگاڑ کر اور کبھی ہاتھوں کے اشاروں سے۔ ان میں سے جو بھی حرکت کتاب اللہ کی تلاوت یا سنت رسول کے درس یا اسلام کے عقائد یا دیگر بنیادی مسائل کے تذکرہ کے دوران کی جائے، اسے اسلام کی توہین ہی شمار کیا جائے گا۔

۲۔ اللہ یا اس کے رسول کے احکام کے تذکرے کے دوران غصہ یا ناپسندیدگی کا اظہار یا دین کی دعوت سے نفرت کا اظہار بھی دین کو ناپسند کرنے کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمُنْکَرَ یَکَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ عَلَیْہِمْ اٰیٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُکُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِکُمْ اَلنَّارُ وَعَدَہَا اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ} (الحج: ۷۲)

''جب ان کو ہماری واضح آیات سنائی جائیں تو آپ منکرین کے چہرے پر ناخوشی و نفرت دیکھیں گے۔ قریب ہے کہ وہ حملہ کر دیں اُن پر جو اُن کے پاس ہماری آیات پڑھتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ میں تم کو اس سے بدتر چیز بتلاؤں وہ آگ ہے! اس کا وعدہ اللہ نے کر دیا ہے منکروں سے۔ اور وہ جانے کی بہت بری جگہ ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

{ذٰلِکَ بِاَنَّہُمْ کَرِہُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَہُمْ} (محمد: ۹)

''یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ کے نازل کردہ کو ناپسند کیا تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔''

مرتد ہونے کے اسباب کیا ہیں؟ علماء کی آراء

اس بحث کے آخر میں ہم بہتر سمجھتے ہیں کہ کچھ علماء کی آراء مع دلائل پیش کر دیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کون سے افعال، اقوال یا اعتقادات ہیں جو کسی کو اسلام سے خارج کرنے کا سبب بنتے ہیں تاکہ ہر مسلمان ان سے واقف ہو سکے اور ان سے بچنے کی کوشش کرتا رہے اور دوسروں کو بھی ان سے محفوظ رہنے کی تاکید کرتا رہے۔ ان اسباب میں سے اکثر ایسے ہیں جن پر علماء کا اتفاق ہے اور بہت کم باتیں ہیں جن میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔

کتاب ''الزواجر عن ارتکاب الکبائر'' میں امام ابن حجر الہیثمیؒ نے کہا ہے کہ کفر و شرک کی اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی زبان سے یا دل سے اس بات کو تسلیم کرے جو عقلی لحاظ سے محال ہو تو ایسا شخص کافر کہلائے گا یا ایسی بات کا عقیدہ رکھے جو عقلی طور پر محال چیز کے وجوب کے عقیدہ پر دال ہو یا اس کا فعل یا الفاظ اس بات پر دلیل ہو۔ خواہ وہ فعل اعتقاداً ہو، یا عناد کے طور پر ہو، یا مذاقاً ہو۔ مثلاً کوئی شخص عالَم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھے یا ان صفات کی نفی کرے جو بالاجماع اللہ کے لئے ثابت ہیں جیسے اللہ کا علم یا اس کی قدرت یا اس کا عالِم بالجزئیات ہونے کا انکار یا اللہ سے جس چیز کی نفی ضروری ہے اسے ثابت ماننے جیسے اللہ کے لئے رنگ ثابت کرنا کہ اس کا رنگ ایسا ہے۔ اس کے بعد اس بات کی تفصیل انہوں نے یوں بیان کی ہے کہ جو شخص ایسا کوئی عمل کرے جو صرف کسی کافر سے ہی سرزد ہوتا ہے (تو یہ شخص کافر کہلائے گا) اگرچہ اسلام کا اظہار کرتا ہو۔ مثلاً ایک مسلمان کہلانے والا عیسائیوں کے ساتھ ان کے طور طریقے اپنا کر صلیب گلے میں لٹکا کر گرجا میں جاتا ہو یا قرآن جس کاغذ پر لکھا ہو یا اللہ کا نام لکھا ہو اسے گندگی میں کوڑے میں پھینکتا ہو یا کسی ایسے نبی کی نبوت میں شک کرتا ہو جس پر اجماع ہو چکا ہو یا کسی کتاب کے نزول کا انکار کرتا ہو جیسے تورات، انجیل، زبور، صحفِ ابراہیم یا قرآن کی کسی آیت کا انکار کرتا ہو یا اس آدمی کے کافر ہونے میں شک کرتا ہو جو پوری امت کو گمراہ سمجھتا ہے یا صحابہ کرام کو کافر قرار دیتا ہو یا کوئی شخص مکہ، کعبہ، مسجد حرام، حج کے طریقوں یا ان کی مشہور کیفیت میں شک کرتا ہو، یا روزہ، نماز کی فرضیت میں شک کرے یا حرام کو حلال سمجھے۔ جیسے بغیر وضوء کے نماز

کو جائز سمجھنا۔ یا کسی مسلمان یا ذمی کو بغیر کسی شرعی جواز کے سزا دینا جائز سمجھتا ہو (صرف اپنے اعتقاد کی بنیاد پر) ۔ یا کسی حلال چیز کو حرام سمجھے جیسے نکاح، تجارت وغیرہ یا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہے کہ ان کا رنگ کالا تھا یا ان کی وفات داڑھی نکلنے سے پہلے ہو گئی تھی یا یہ کہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی نہیں تھے یا عربی یا انسان نہیں تھے۔ اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی کوئی صفت بیان کرنا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی نہیں یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن صفات پر اجماع ہو چکا ہے ان میں سے کسی صفت کا انکار بھی کفر ہے۔ جس طرح کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے کا عقیدہ۔ یا کوئی شخص یہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال مدینہ میں ہوا وغیرہ۔ یا کوئی شخص یہ کہے کہ نبوت اکتسابی چیز ہے (یعنی کوئی بھی شخص اپنی محنت وصلاحیت سے نبوت حاصل کر سکتا ہے) یا تزکیۂ نفس کے ذریعے سے نبوت کے درجے تک پہنچا جا سکتا ہے یا یہ کہے کہ ولی کا رتبہ نبی سے بڑھ کر ہے اور ولی کو بھی وحی ہوتی ہے مگر وہ اس کا دعویٰ نہیں کرتا یا یہ کہ ولی مرنے سے پہلے ہی جنت میں جا سکتا ہے یا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی اور نبی یا فرشتوں کی طرف کسی عیب کی نسبت کرتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) لعنت کرتا ہو یا گالیاں دیتا ہو یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کرتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب پر کسی قسم کا الزام لگاتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال میں عیب نکالتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب کرتا ہو جو آپ کی شان کے منافی ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بے عقلی کی باتیں کرتا ہو یا بدزبانی کرتا ہو یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو تکالیف و آزمائشیں آئی ہیں ان کو عار کا سبب سمجھتا ہو یا بشری عوارض جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز تھے ان پر اعتراضات کرتا ہو، ان مذکورہ اقوال، اعمال، اعتقادات میں سے کسی کا بھی ارتکاب کرے تو وہ شخص بالاجماع کافر ہے۔ اسے قتل کر دیا جائے گا۔ اکثر علماء کہتے ہیں کہ اس کو توبہ کی بھی مہلت مت دو۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہٗ نے اس شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ لفظ

استعمال کیا تھا"عند صاحبکم "اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص مراد تھی (حالانکہ بظاہر لفظ میں کوئی برائی نہیں تھی اس کا معنی ہے: تمہارے ساتھی کے پاس) مگر اس شخص نے ایسے موقع پر استعمال کیا تھا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہو رہی تھی۔

ابن حجر ہیثمی مزید تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"کوئی شخص کفر پر راضی ہو اگرچہ ضمناً ہو مثلاً کسی کافر کو اشارۃً منع کر دے کہ مسلمان نہ ہونا یا کسی کے لئے کافر ہونے کی دعا کرے یا کسی مسلمان کو (بلا تاویل) کافر کہے (تو ایسا شخص بھی کافر ہے) اس لئے کہ اس نے اسلام کو کفر قرار دے دیا۔ یا اللہ تعالیٰ کے نام یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مذاق اڑائے، ان کی توہین کرے یا اللہ تعالیٰ یا اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی حکم، وعدے، وعید کا مذاق اڑائے۔ مثلاً یہ کہے کہ اگر اللہ نے مجھے جنت دے دی تو میں اس میں نہیں جاؤں گا (اس کی اہمیت سے انکار کی بنا پر، اسے معمولی سمجھتے ہوئے یا انکار کرتے ہوئے) یا یہ کہے کہ میں بیمار ہوں اس لئے نماز نہیں پڑھ سکتا اب اگر اللہ نے مجھ سے اس کا مواخذہ کیا تو یہ ظلم ہوگا۔ یا اگر کوئی مظلوم کسی ظالم سے کہے کہ تیرا ظلم تو اللہ کی مقرر کردہ تقدیر کی وجہ سے ہے اور اس کے جواب میں ظالم کہے کہ میں اللہ کی تقدیر کے بغیر ظلم کر رہا ہوں تو یہ (ظالم) کافر ہوگا اپنے اس قول کی وجہ سے۔ (کیونکہ یہ اللہ کی تقدیر کا انکار ہے)۔ یا کوئی شخص کہے کہ میرے پاس گواہی کے لئے فرشتہ یا کوئی نبی آجائے میں پھر بھی نہ مانوں گا یا یہ کہے کہ اگر فلاں شخص نبی ہوتا تو میں اس پر کبھی ایمان نہ لاتا۔ یا یہ کہے کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فلاں قول سچا ہے تو پھر ہم کامیاب ہیں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کے قول کی سچائی میں شک کا اظہار کرے)۔ یا کسی شخص سے کہا جائے کہ ناخن کاٹو، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے تو وہ یہ کہے کہ اگرچہ سنت ہے میں پھر بھی نہیں کاٹوں گا۔ یا یہ کہے کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنے سے بھوک تو نہیں مٹ سکتی یا کسی بھی ذکر اذکار کے بارے میں ایسی کوئی بات کرے۔ یا اذان سن کر یہ کہے کہ مؤذن جھوٹ بول رہا ہے۔ یا کفار اپنی عبادات کی طرف بلانے کے لے جو آوازیں لگاتے ہیں یا کوئی چیز بجاتے ہیں ان جیسی آواز نکالے یا اذان کی توہین و تحقیر کرے یا بطور استہزاء کے حرام چیز پر اللہ کا نام لے (ذبح کرنے یا کھانے کے لئے) یا استہزاءً کہے کہ میں قیامت سے نہیں ڈرتا یا اللہ کے بارے میں یہ

کہے کہ وہ چور کا پیچھا نہیں کر سکتا(وہ عاجز ہے) یا یہ کہے کہ فلاں چیز یا فعل حرام کر کے اللہ نے ظلم کیا ہے۔ یا کافروں کے دین سے متاثر ہو کر ان کا لباس اختیار کرے یا اسے پسند کرتا ہو یا یہ کہے کہ مسلمانوں سے یہودی بہتر ہیں۔ یا کسی سے پوچھا جائے کہ ایمان کیا ہے تو وہ کہے کہ مجھے نہیں معلوم (اور یہ بات وہ تحقیر کے طور پر کہہ رہا ہو) ۔ صحابہ کرام میں سے ابو بکر صدیق رضی للہ عنہ کے صحابی ہونے کا انکار کرے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ پر بہتان لگائے۔ ایسا شخص اس لئے کافر ہے کہ وہ قرآن کی تکذیب کر رہا ہے۔ یا، مذاق میں بھی اگر کہتا ہے کہ میں اللہ ہوں یا یہ کہے کہ میں اللہ کا حق نہیں جانتا اور اس بات سے مراد اللہ کے فرض کردہ امور کا انکار ہو یا یہ کہے کہ حشر جہنم کی کیا حیثیت ہے ؟ (بطور تحقیر یا انکار کے) یا تحقیر کے طور پر یہ کہے کہ قرآن سے یا نماز یا ذکر اللہ سے میرا پیٹ بھر گیا ہے (یعنی اب مجھے مزید کی ضرورت ہی نہ رہی بہت کر لیا یہ سب کچھ) یا یہ کہے کہ تمام جہاں پر لعنت ہے اس میں چونکہ انبیاء اور ملائکہ بھی آجاتے ہیں لہٰذا یہ شخص کافر ہے۔ یا یہ کہے کہ اس شریعت (اسلام) کی کیا حیثیت ہے ؟ (توہین آمیز انداز سے کہے) یا یہ کہے کہ جب ربوبیت ظاہر ہو جاتی ہے تو الوہیت ختم ہو جاتی ہے یعنی احکام کی پابندی کی ضرورت نہ رہی۔ یا یہ کہے کہ میں صفتِ ناسوتیت سے لاہوتیت میں فنا ہو چکا ہوں (ناسوتیت کا معنی ہے انسانیت، لاہوتیت کا مطلب ہے خدائی صفات یا الوہیت) ۔ یا یہ کہے کہ میں نے اللہ کو دنیا میں ظاہری حالت میں دیکھا ہے یا اللہ نے مجھ سے براہِ راست بات کی ہے یا وہ خوبصورت شکل میں حلول کرتا ہے یا یہ کہے کہ اللہ نے مجھ سے احکام کی پابندی ختم کر دی ہے یا یہ کہے کہ بندہ عبودیت کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے اور طریقے سے اللہ تک پہنچ سکتا ہے یا یہ کہے کہ روح ، اللہ کے نور کا حصہ ہے اور جب نور نور سے ملتا ہے تو ایک ہی چیز بن جاتی ہے(تو ایسا شخص یقینا کافر ہے)۔"

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ قرآن کی آیت { وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ } (المائدۃ: ۴۴)"جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ (حکومت) نہیں کرتے وہ لوگ کافر ہیں" کے ضمن میں لکھتے ہیں:

”اس بارے میں کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ جو شخص اللہ کے اپنے رسول پر نازل کردہ احکام کو لازمی اور واجب نہیں سمجھتا وہ شخص کافر ہے۔ اس لئے کہ جو بھی قومیں ہیں وہ اکثر عادلانہ فیصلے کرتی ہیں بلکہ عدل اکثر ان کے دین میں ہوتا ہے اور ان کے اکابر بھی یہی کہتے ہیں بلکہ اکثر لوگ جو مسلمان کہلاتے ہیں وہ بھی اپنی قوم کے طریقوں پر فیصلے و حکومتیں کرتے ہیں اللہ کے احکام کے مطابق نہیں کرتے۔ جیسے گائوں دیہاتوں کے باشندے۔ اور وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہی صحیح اور بہتر ہے جبکہ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے۔ یہی دراصل کفر ہے۔ اس لئے کہ اکثر لوگ اسلام لانے کے باوجود فیصلے اور حکومتیں اپنی سابقہ عادات و اطوار کے مطابق کر رہے ہوتے ہیں جن کا حکم ان کے سرداروں نے دیا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جب یہ معلوم بھی ہوتا ہے کہ فیصلہ صرف اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق کرنا چاہئے پھر بھی اسے نہیں اپناتے بلکہ جائز سمجھتے ہیں کہ اللہ کے احکامات کے خلاف فیصلہ کریں۔ لہٰذا یہ لوگ کافر ہیں۔“ (منہاج السنۃ النبویہ)

اس مضمون کے ضمن میں عقیدہ طحاویہ کے شارح کہتے ہیں کہ یہاں ایک اہم امر ہے جسے سمجھنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ اللہ کے حکم کو چھوڑ کر کسی اور طریقے پر فیصلہ یا حکومت کرنا کفر ہے۔ امت سے یہی بات منقول ہے۔ مگر کفر کا فتویٰ حاکم کی حالت و کیفیت کے مطابق لگایا جائے گا۔ مثلاً اگر اس کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے احکام کے مطابق فیصلہ کرنا واجب نہیں ہے اور مجھے فیصلہ و حکومت اپنی مرضی سے کرنے کا اختیار ہے یا اسے یہ تو یقین ہے کہ فیصلے اللہ کے احکام کے مطابق ہونے چاہئیں مگر وہ اس کو اہمیت نہیں دیتا تو ایسا حکمران اور فیصلہ کرنے والا بڑا کافر ہے۔“(شرح عقیدۃ الطحاویۃ، صفحہ ۳۶۳)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ، آیت {اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ} (المآئدۃ:۵۰) ”کیا یہ لوگ جاہلیت کے دور کے فیصلے تلاش کر رہے ہیں؟“ کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں:”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی بات اور فیصلوں کو رد کر رہا ہے جو اللہ کے محکم فیصلہ کو چھوڑ کر، جس میں ہر قسم کی بھلائی موجود ہے اور جو ہر شر سے محفوظ ہے، کسی اور قسم کی آراء اور خواہشات کی طرف جاتے ہیں اور ان اصلاحات و قوانین

کی طرف رجوع کرتے ہیں جو لوگوں نے وضع کئے ہیں جن کی بنیاد شریعت پر نہیں ہے۔ جیسا کہ اسلام سے قبل دورِ جاہلیت میں ہوتا تھا کہ وہ اپنی گمراہ کن آراء کے مطابق فیصلے کرتے تھے جن کی بنیاد صرف ان کی خواہشات ہی تھیں۔ اور جس طرح کے فیصلے تاتاری اپنے زیر قبضہ ممالک میں کرتے تھے۔ اور یہ فیصلے انہوں نے اپنے بادشاہ چنگیز خان سے لئے تھے جس نے ان لوگوں کے لئے ''الیاسق'' نام سے قوانین کا مجموعہ بنایا تھا جو مختلف شرائع سے ماخوذ تھا یعنی یہودیت، نصرانیت اور اسلام وغیرہ۔ اس یاسق میں بہت سے احکام ایسے بھی تھے جو کسی شریعت سے ماخوذ نہ تھے بلکہ صرف اور صرف چنگیز خان کے اپنے خیالات و خواہشات سے بنے تھے۔ اس کے بعد آنے والی اس کی اولاد نے اسے شریعت کا درجہ دے دیا اور کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کو مقدم سمجھنے لگے۔ جس جس نے بھی یہ کام کیا ہے وہ کافر ہے۔ اس کے خلاف اس وقت تک قتال کرنا چاہئے جب تک وہ اللہ اور رسول کے احکام کی طرف رجوع نہ کرلے اور کوئی بھی فیصلہ بڑا ہو یا چھوٹا اللہ ورسول کے احکام کی روشنی میں نہ کرنے لگے۔'' (ابن کثیر، جلد ۲، صفحہ ۶۷)

ابنِ کثیر رحمہ اللہ کے اس کلام کے ضمن میں شیخ احمد شاکر فرماتے ہیں:

''کیا اللہ کی شریعت کی موجودگی میں یہ جائز ہے کہ مسلمان اپنے ملکوں مین خودساختہ یا کسی اور سے لئے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے اور حکومتیں کریں یا غیر مسلموں کے ایسے قوانین اپنائیں جن میں لوگوں کی ذاتی آراء و خواہشات کا دخل ہوتا ہے اور جب چاہیں وہ اپنی خواہشات و مفادات کے لئے ان قوانین میں ترامیم کرتے رہیں اور ان قوانین کو اپنانے والے کبھی یہ خیال نہیں کرتے کہ یہ اسلامی شریعت کے مطابق ہیں یا مخالف؟

مسلمانوں میں یہ خرابی جو آئی ہے کہ وہ شریعتِ اسلامی کی موجودگی میں لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین پر عمل کرتے ہیں یہ تاتاریوں کے مظالم کی وجہ سے آئی۔ اس لئے کہ یہ دور مسلمانوں پر بہت سخت آزمائش کا تھا انہوں نے بہت سختیاں برداشت کیں مگر مسلمان پھر بھی تاتاریوں کے ماتحت نہ ہوئے بلکہ اسلام نے ہی تاتاریوں پر غلبہ حاصل کرلیا۔ اسلام

نے ان کو مسلمانوں میں شامل کر لیا اور انہیں اپنے قوانین کے تابع کیا اور تاتاریوں نے اپنے قوانین جو نافذ کئے تھے وہ رفتہ رفتہ ختم ہو گئے جس طرح کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ حکمرانوں کے بزورِ طاقت نافذ کردہ احکام ان حکمرانوں کے زوال کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تاتاریوں کا غلبہ جب ختم ہوا تو ان کے قوانین پر بھی زوال آگیا۔ یہ قوانین صرف حکمران طبقہ کے ہاں پسندیدہ تھے ورنہ عوام مسلمانوں کے ہاں انہیں کسی قسم کی پذیرائی نہ ملی تھی نہ ان مسلمانوں نے ان قوانین کو سیکھنے، یاد کرنے کی کوشش کی یہاں تک کہ بہت جلد ہی ان قوانین کا خاتمہ ہو گیا۔

آپ نے دیکھا کہ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے ان وضعی قوانین کی قوت وطاقت کا جو تذکرہ کیا ہے جنہیں اسلام کے دشمن چنگیز خان نے وضع کیا تھا کس طرح حکمرانوں کے خاتمے کے ساتھ ہی ان کا بھی نام ونشان مسلمانوں کے ہاں سے مٹ گیا۔ اس لئے کہ عوام مسلمان تو پہلے بھی تمام تر آزمائشوں اور تکلیفوں کے باوجود ان قوانین کو اپنانے پر راضی نہ تھے سوائے حکمران طبقہ کے۔ اسی لئے حکمرانوں کے زوال کے ساتھ ہی ان قوانین کا بھی بہت جلد خاتمہ ہو گیا ۔اس آزمائش کے دور میں تو مسلمانوں نے غیر اسلامی احکام کو نہیں اپنایا مگر موجودہ دور کے مسلمان جو ایسی کسی آزمائش سے دوچار نہیں ہیں پھر بھی خلافِ شریعت احکام کو اپنانے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ موجودہ دور کے قوانین بھی ''یاسق'' کے مشابہ ہی ہیں۔ اب وقت ایسا آچکا ہے کہ مسلمان ممالک میں بھی ''یاسق'' کی طرح غیر مسلموں بلکہ اسلام دشمنوں کے بنائے ہوئے احکامات کو اسلامی احکام کا نام دے دیا گیا ہے اور انہیں مسلمان بچوں بچیوں کو پڑھایا سکھایا جاتا ہے اور پھر ان پر نسل در نسل فخر بھی کیا جاتا ہے کہ ہمارا باپ جج تھا یا وکیل تھا یا اسمبلی ممبر تھا۔ یہ باتیں فخریہ بیان کی جاتی ہیں اور یہ قوانین جو کہ موجودہ دور کے ''یاسق'' ہیں ان کی مخالفت کرنے والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، انہیں رجعت پسند، دقیانوس کہا جاتا ہے۔

اب تو نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ یہ نام نہاد قانون دان شریعتِ اسلامی پر بھی ہاتھ ڈالنے لگے ہیں اور اسے اپنے "یاسق" کے مطابق کرنا چاہتے ہیں، کبھی اسلامی احکام میں نرمی پیدا کرنے کے نام پر اور کبھی دیگر حیلے بہانوں سے جو بھی ان کے بس میں ہے ہر طریقہ و طاقت استعمال کر رہے ہیں۔ اس بات کا علی الاعلان اظہار بھی کرتے ہیں۔ انہیں ذرہ برابر شرم بھی نہیں آتی کہ یہ لوگ دین و حکومت کو الگ الگ کر رہے ہیں۔ اس صورتحال میں کیا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس جدید دین کی اطاعت کرے؟ (جو کہ سراسر دینِ اسلام کے خلاف ہے) یا کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ اس جدید یاسق کے مطابق کئے ہوئے فیصلوں کو تسلیم کرے؟ ان پر عمل کرے؟ اور واضح اسلامی شریعت سے منہ موڑ لے؟ میرا نہیں خیال کہ کوئی مسلمان جو اپنے دین کو سمجھتا ہے اور اس پر مکمل ایمان رکھتا ہے یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی ہے اور اس میں کہیں سے بھی غلط بات کا دخل نہیں ہوا نہ ہو سکتا ہے۔ اور جو یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اس قرآن کی اطاعت اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے جو اس قرآن کو ہم تک پہنچانے والے تھے، ایسا مسلمان کسی قسم کا تردد یا شک اس بات میں نہیں کرے گا کہ موجودہ دور کے قاضیوں اور حکمرانوں کے فیصلے مکمل طور پر باطل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی صحت و جواز کا شائبہ تک نہیں ہے۔ ان خود ساختہ قوانین کی حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ قوانین صراحتاً کفر ہیں۔ ان کے کفر میں کسی قسم کا شک شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور کسی بھی مسلمان کہلانے والے کا کوئی عذر قبول نہیں اگر وہ ان قوانین کو عمل کرنے یا ان کی اطاعت کرنے یا ان کو صحیح قرار دینے کے لئے پیش کرتا ہے۔ ہر شخص کو اپنے انجام کا خیال کرنا چاہئے۔ ہر شخص خود اپنا محاسبہ کرے۔" (احمد شاکر۔ عمدۃ التفسیر، صفحہ ۱۷۱)

اسی طرح شیخ احمد شاکر نے حدِّ سرقہ کے انکار کرنے والوں کے بارے میں فرمایا: "چور کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے، اس کے لئے قرآن میں صراحت کے ساتھ لفظ وارِد ہے جس میں کسی قسم کے شک یا تاویل کی

گنجائش نہیں ہے۔ اس کی دلالت اور ثبوت کسی قسم کے شک کا متحمل نہیں۔ اسی طرح نبی ﷺ کا بھی یہی حکم ہے اور آپ انے مردوں اور عورتوں پر اللہ کا یہ حکم نافذ کیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ اکا ارشاد ہے: ((لَوْ اَنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَہَا)) ''اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی (بالفرضِ محال) چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔''

اب ہمارے ان دشمنوں (حکمرانوں) کی حالت دیکھو جو استعمار کے آلہ کار ہیں اور ہمیں ترقی کی خوشخبریاں سنا رہے ہیں اور ہمارے دین سے کھیل رہے ہیں۔ ہم پر غیر اسلامی قابل لعنت قوانین مسلط کر رہے ہیں۔ ان قوانین کے ذریعہ سے وہ اللہ اور اس کے رسول اکے احکامات کو منسوخ کر رہے ہیں۔ ہمارے درمیان ہی کچھ ایسے لوگ پرورش پا چکے ہیں جو خود کو ہم میں سے ہی شمار کرتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں (اللہ ورسول کے) اس حکم کی نفرت بیٹھ چکی ہے اور ان کی زبانوں سے یہ کفریہ الفاظ نکلتے ہیں کہ یہ (چور کا ہاتھ کاٹنا) بہت سخت سزا ہے اس زمانے سے مناسبت نہیں رکھتا۔ ان لوگوں نے اللہ کے اس حکم کا مذاق اڑانا شروع کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے ایک ملک میں ہزاروں چوروں سے جیلیں بھر گئی ہیں۔ یہ ان خود ساختہ قوانین کی چور کے لئے مقرر کردہ سزا کی وجہ سے ہے۔ ان سزاؤں کی وجہ سے چوری کا جرم ختم نہیں ہو رہا اور کبھی بھی ختم نہیں ہو گا۔ یہ قوانین ان پھیلتی ہوئی خرابیوں کا علاج کبھی بھی نہیں بن سکیں گے۔

پھر ان لوگوں نے جدید ذہن کے حامل لوگوں کی عقلوں میں (خصوصاً ان لوگوں کے دلوں میں جو ان غیر اسلامی قوانین پر عمل پیرا ہیں) یہ بات انڈیل دی کہ چوری کرنا دراصل نفسیاتی بیماری ہے اس لئے اس کا علاج بھی نفسیات کے علم کے مطابق ہونا چاہیئے۔ حالانکہ نفسیات کوئی علم نہیں ہے بلکہ یہ علم سے مشابہت تک نہیں رکھتا۔ یہ صرف متعارض و متضاد خواہشات کا مجموعہ ہے۔ کفر کے جو سرخیل ہیں ان میں سے ہر ایک کی علمِ نفسیات کے بارے میں الگ الگ رائے ہے اور ہر ایک کی رائے دوسرے کے بالکل الٹ و متضاد ہے۔ اب لوگ علمِ نفسیات کے ذریعہ سے ہر چور کے عمل کی تطبیق و توجیہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اب تو یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ چوروں سے ان کے خیالات معلوم کیے

جاتے ہیں کہ وہ اپنی اس عادت کی وجوہات پیش کریں تا کہ ان کی بنیاد پر انہیں سزا سے بچایا جا سکے اور وکلاء ان کی نفسیات کی روشنی میں ان کا دفاع کر سکیں اور انہیں اس سزا سے بچا سکیں جو ان کو ملنی چاہیے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ جرم ثابت ہو چکا ہے۔ اس کے ثبوت سے انکار نہیں کرتے مگر کوشش کرتے ہیں کہ اس جرم کو نفسیات کی آڑ لے کر معمولی بنا دیا جائے۔ میں نے اس نفسیات کے بڑے بڑے ماہرین سے گفتگو کی ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں سوائے اس کے کہ یہ سزا اس زمانے کے لحاظ سے بہت سخت ہے اور چوری کرنے والا مجرم نہیں بلکہ مریض ہے، اسے سزا کی نہیں علاج کی ضرورت ہے، مگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم بھول جاتے ہیں:

{جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِّنَ اللهِ} (المائدۃ: ۳۸)

"یہ ان کے جرم کی سزا ہے اللہ کی طرف سے عبرت کے طور پر۔"

اللہ تعالیٰ خالق ہے وہ اپنی مخلوق (کی نفسیات) سے بخوبی واقف ہے۔ وہ عزیز و حکیم ہے۔ وہ تو اس سزا کو عبرت بنا رہا ہے اور یہ حکم قطعی دلیل ہے اس سزا پر۔ اب ان لوگوں کی باتوں کا کیا اعتبار ہے؟

ہمارے نزدیک مسئلہ کی نوعیت؟ ہم مسلمان ہیں۔ یہ مسئلہ ہمارے عقیدے اور ایمان کا مسئلہ ہے ۔یہ نام نہاد مسلمان جو کہ چوری کی حد کے منکر ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کیا تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو؟ اس بات کو مانتے ہو کہ وہ خالق ہے تمام مخلوق کا؟ یہ لوگ ہاں میں ہی جواب دیں گے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ماکان ومایکون کا علم رکھتا ہے اور وہ مخلوق کو اتنا جانتا ہے کہ جتنا مخلوق اپنے بارے میں خود بھی نہیں جانتی اور اس مخلوق کے لئے کیا مفید و کیا نقصان دہ ہے سب کچھ خوب جانتا ہے؟ یہاں بھی ان کا جواب اثبات میں ہو گا۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تمہارا اس بات پر ایمان ہے کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر بھیجا ہے، انہیں ہدایت و دین حق عطا کیا ہے، ان پر قرآن نازل کیا ہے جو لوگوں کی رہنمائی اور ان کے دینی و دنیاوی اصلاح کا ذریعہ ہے؟ یہ جواب اثبات میں دیں گے۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ آیت اسی طرح قرآن میں موجود ہے؟

{وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا} (المائدہ: ۳۸)

”چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹ دو۔“

اس کا جواب بھی اثبات میں ہو گا تو ہم کہتے ہیں کہ پھر تم یہ سب کچھ چھوڑ کر کس طرف جا رہے ہو ؟ کس شریعت کے پیروکار بنے ہو ؟

اب اگر کسی مسلمان کہلانے والے نے ان سوالوں میں سے کسی سوال کے جواب میں ”نہیں“ کہا تو ہم سمجھ جائیں گے کہ یہ کیا ہے اور اس کا آخری ٹھکانہ کونسا ہے۔ اور ہر مسلمان چاہے وہ عالم ہو یا ان پڑھ وہ یقین کر لے گا کہ یہ شخص اسلام سے خارج ہو چکا ہے اور مرتدین کے دائرے میں داخل ہو چکا ہے۔ اور اگر کوئی غیر مسلم ان سوالوں کے جواب نفی میں دیتا ہے یا ان میں سے کسی کا انکار کرتا ہے تو ہماری ان سے کوئی بحث نہیں ہے اس لئے کہ وہ تو اس (شریعت) پر ایمان ہی نہیں رکھتے جس پر ہمارا ایمان ہے۔ اور وہ تو ہم سے صرف اس صورت میں ہی راضی و خوش رہ سکتے ہیں جب ہم ان کی ہاں میں ہاں ملائیں گے اور یہ کسی مسلمان سے نہیں ہو سکتا۔ (العیاذ باللہ من ذلك)

اگر ان نام نہاد مسلمانوں کے پاس عقل ہوتی تو یہ سمجھ جاتے کہ اگر ہر سال چند چوروں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں تو ہمارے شہر اور ملک چوروں کے گروہوں سے پاک صاف ہو جائیں۔ صرف سالانہ چند چوریاں ہی ہو سکیں گی۔ ہماری جیلیں ان سینکڑوں ہزاروں قیدیوں سے خالی ہو جائیں جو کہ جرائم کی باقاعدہ درسگاہیں بن چکی ہیں۔ اگر انہیں عقل ہوتی تو یہ کام ضرور کرتے مگر یہ اپنے غلط نظریات پر اڑے ہوئے ہیں تاکہ ان کے غیر مسلم آقا ان سے خوش ہوں (حالانکہ یہ بھی بہت مشکل ہے) ۔
“(عمدۃ التفسیر، جلد ۴، صفحہ ۱۴۶)

اب ہم مرتد ہونے والوں کے بارے میں علماء کی رائے پیش کر رہے ہیں اور اس بارے میں ابن تیمیہ کا فتویٰ (جو انہوں نے النصیریہ نامی فرقہ سے متعلق سوال کے جواب میں دیا تھا) نقل کرتے ہیں:

”تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ یہ لوگ جو نصیریہ کہلاتے ہیں یا ان جیسے اور قرامطہ اور باطنیہ کہلانے والے یہود و نصاریٰ سے بھی بڑھ کر کفار ہیں بلکہ یہ تو مشرکین سے بھی

بڑھ کر کافر اور امتِ محمدیہ پر تاتاریوں اور انگریزوں سے بھی بڑھ کر ظلم کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ لوگ عام مسلمانوں کے سامنے خود کو مسلمان اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی اور اہلِ بیت کے حمایتی ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کا نہ اللہ پر ایمان ہے نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، نہ اللہ کی کتاب پر۔ نہ اللہ کے حکم کو مانتے ہیں، نہ اس کی نہی کو، نہ ثواب کو، نہ عِقاب کو، نہ جنت کے قائل ہیں، نہ جہنم کے، نہ کسی رسول کو مانتے ہیں، نہ سابقہ امتوں میں سے کسی امت کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ یہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ا کے کلام کو لے لیتے ہیں جو عام مسلمانوں کے ہاں مشہور و معروف ہو اور پھر اس میں اپنی مرضی کی تاویلیں کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ علمِ باطن ہے۔ اور اللہ کے اسماء و آیات میں اور رسول ا کے کلام میں جو تحریف کر رہے ہیں اس کی تو حد ہی نہیں ہے۔"

مزید فرماتے ہیں کہ:

"ہمیں معلوم ہے کہ نصاریٰ نے شام کے ساحلوں پر جو قبضہ کیا وہ انہی لوگوں کی مدد سے کیا اور یہ لوگ ہر مسلم دشمن کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ مسلمانوں کے مخالف اور نصاریٰ کے ساتھی ہیں اور ان کی مدد سے ہی نصاریٰ نے مسلمانوں پر تاتاریوں سے بڑھ کر ظلم کئے ہیں۔ اور جب نصاریٰ نے مسلمان ممالک کی سرحدوں پر حملے کئے تو یہی لوگ ان کے سب سے بڑے مددگار تھے۔ اسی دوران نصاریٰ نے سب سے زیادہ قبضے کئے۔ انہی کی مدد سے نصاریٰ نے القدس پر قبضہ کیا۔ یہ لوگ ان نصاریٰ کا سب سے بڑا سہارا و ذریعہ بنے اور جب اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے نور الدین زنگی شہید و صلاح الدین ایوبیؒ اور ان کے ساتھیوں نے نصاریٰ سے اسلامی ساحل و علاقے واپس لئے تو اس وقت یہ لوگ نصاریٰ کے ساتھ مل جل کر ان مقامات پر رہ رہے تھے، ان کا آپس میں اتحاد و اتفاق تھا۔ مسلمانوں نے ان سے جہاد کر کے اسلامی ممالک آزاد کرائے۔"

مزید لکھتے ہیں:

"جب تاتاری اسلامی ممالک میں داخل ہوئے اور بغداد کے خلیفہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں کو قتل کر دیا تو یہ سب کچھ بھی انہی (باطنیوں، قرامطہ، نصیریہ) کے تعاون اور پشت پناہی کی وجہ سے تھا۔ مسلمانوں کے ہاں ان کے مشہور القاب ہیں کبھی انہیں "ملاحدہ" کہا جاتا ہے کبھی "قرامطہ" کبھی " باطنیہ" کبھی "اسماعیلیہ" کبھی "الخرمیہ" کبھی " المحمرہ " کہا جاتا ہے۔ یہ ان کے عام نام ہیں ان میں سے کچھ مزید خاص فرقے دیگر ناموں سے بھی ہیں۔

اس بات میں کبھی کوئی شک نہیں ہونا چاہئے کہ ان لوگوں کے خلاف جہاد کرنا اور ان پر حدود جاری کرنا اللہ کی سب سے بڑی اطاعت اور (مسلمانوں کا) سب سے بڑا فریضہ ہے اور ان سے جہاد کرنا زیادہ افضل ہے بنسبت ان مشرکین و اہل کتاب کے جو مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے ۔ ان سے جہاد کرنا ایسا ہے جیسا مرتدین سے جہاد کرنا۔ وہ مرتدین جو ابو بکر صدیق کے زمانہ میں مرتد ہوئے تھے اور صحابہ کرام نے کفار و اہل کتاب سے پہلے ان مرتدین سے جہاد کیا تھا۔ اسی طرح یہ لوگ مسلمانوں کے لئے ان (غیر مسلموں کی بنسبت) زیادہ نقصان دہ ہیں ۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری حسبِ استطاعت پوری کرے۔ لہٰذا کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان کے بارے میں جو کچھ جانتا ہے وہ چھپائے رکھے بلکہ اسے چاہئے کہ اسے ظاہر کرے تا کہ مسلمان ان لوگوں کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ ان کے بارے میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جو احکام ہیں ان کے نفاذ سے خاموشی اختیار کرے (یعنی ان کے خلاف جہاد وغیرہ)اور ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے باہمی تعاون نہ کرنا بھی جائز نہیں ہے۔ ان کو ہدایت کی طرف لانے کے لئے جہاں تک ممکن ہو کوشش کرے۔ اس میں جتنا ثواب و اجر ہے اس کا اندازہ صرف اللہ ہی کو ہے۔" (مجموع الفتاوٰی، جلد ۲۵، صفحہ ۱۴۹)

کسی خاص شخص کو کافر قرار دینے میں احتیاط کرنا چاہئے

عقیدہ طحاویہ کے شارح کہتے ہیں:

"باطل اور تحریف کرنے والا قول وہ ہوتا ہے کہ جس کے ذریعے سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت کردہ حکم کی نفی ہوتی ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منع کئے ہوئے امور میں سے کسی کا اثبات ہوتا ہو۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس چیز سے منع کیا ہے اس کا حکم کیا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کردہ سے ممانعت کی جائے۔ ایسے اقوال کے قائلین کو کافر قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم سے کسی خاص شخص کے بارے میں سوال کیا جائے کہ یہ شخص عذابِ الٰہی کا مستحق اور کافر ہے؟ تو ہم ایسے معاملہ میں اس وقت ہاں کہیں گے جب کوئی واضح شہادت موجود ہو۔ اس لئے کہ یہ بہت بری بات ہے کہ ہم کسی معین شخص کے بارے میں کہہ دیں کہ اللہ اس کو معاف نہیں کرے گا یا اس پر رحم نہیں کرے گا بلکہ اسے ہمیشہ جہنم میں رکھے گا اس لئے کہ یہ فیصلہ تو کافر کے لئے ہے اور وہ بھی مرنے کے بعد (ہم دنیا میں کسی پر ایسا فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں) یہ کام اللہ کے کرنے کا ہے نہ کہ بندوں کا۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ شخص (جسے ہم بظاہر غلط سمجھ رہے ہیں) مجتہد ہو اور اجتہاد میں غلطی کر چکا ہو جبکہ مجتہد کی غلطی معاف ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جس حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے وہ اسے پہنچا ہی نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف یہی ایک غلطی اور گناہ کر رہا ہو مگر اس کے علاوہ اس کی بہت سی نیکیاں اور اعمال صالحہ ہوں جن کی بنیاد پر اللہ اسے بخش دے اور اس پر رحم کرے جس طرح اس آدمی کے ساتھ ہوا تھا جس نے اپنی وصیت میں اپنے بیٹوں کو کہا تھا کہ مجھے جلا دینا اور راکھ کو ہوا میں اڑا دینا (صحیح مسلم) اس کو خوف و خشیت کی وجہ سے اللہ نے بخش دیا تھا۔ لیکن یہ توقف اور فیصلہ سے گریز صرف اخروی معاملہ میں ہے۔ دنیا میں سزا دینے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ اگر اسے بدعت سے روکنا ہو تو سزا دی جاسکتی ہے یا اسے برا بھلا کہا جا سکتا ہے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو صحیح ورنہ اسے قتل کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ اگر کسی کا قول فی نفسہ کفر ہے تو ہم کہیں گے

کہ اس شخص نے کفر کیا ہے اور ایسے قول کے کہنے والے کو کافر کہیں گے مگر تمام شرائط کی موجودگی اور موانع کی نفی کی صورت میں۔" (شرح عقیدہ طحاویہ، صفحہ ۳۵۷)

شارح عقیدہ طحاویہ کے اس کلام سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی خاص شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے میں احتیاط سے کام لینا چاہئے۔

اسی طرح کچھ اہم باتیں ایسی بھی ہیں جنہیں اسلام کے مخالف امور پر بات کرتے وقت مدِّنظر رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ بہت سے ایسے امور ہیں جو شہادتین کے منافی ہیں۔ کچھ تو ایمان باللہ کے اور کچھ ایمان برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منافی ہیں۔ لہٰذا ہر شخص جو ان امور کو جانتا ہے اور ان کے دلائل سے واقف ہے وہ ان امور پر متنبہ و آگاہ رہے، ان سے محتاط رہے اور ان امور کی تفصیل، ان کے قواعد و ضوابط حسبِ علم واستطاعت معلوم کرے۔ قرآن و سنت میں ان سے متعلق جو دلائل ہیں انہیں بھی واضح کرے۔ یہ سب تفصیلات اس لئے معلوم کرے کہ ان کا تعلق امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہے اور اس کے کرنے والے کو اللہ کے ہاں اجر ملے گا بشرطیکہ خالص نیت سے کیا جائے۔

۲۔ انسان کے کفر کا سبب بننے والے امور کفر پہ دلالت کرنے کی قوت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ کچھ تو ایسے ہیں کہ جن کے ارتکاب سے واضح کفر لازم آتا ہے اور کچھ ایسے ہیں کہ بہت تامل و غور کے بعد کفر کا فتویٰ اور حکم لگایا جاسکتا ہے۔ (اس لئے کہ پہلی قسم کا عمل بذاتہ کفر کا سبب بنتا ہے اور دوسری قسم کا عمل کسی اور ایسے عمل کا سبب یا لازمہ بنتا ہے کہ جو کفر کا سبب ہوتا ہے) لہٰذا جو شخص پہلی قسم کے عمل میں مبتلا ہو اس کو کافر قرار دینا ممکن ہے۔ اس میں کسی قسم کا عذر و مجبوری قابل قبول نہ ہوگی۔ سوائے پہلے وضاحت شدہ اکراہ کے، جو صرف زبانی کفر کی حد تک ہو، اور اس میں مجبور آدمی کا اعتقاد شامل نہ ہو۔ اسی طرح نوعِ ثانی (دوسری قسم) میں سے بھی کچھ اقسام ایسی ہیں جو اس نوعِ اول کے قریب ہیں۔

جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں خدا ہوں چونکہ اس طرح کہنے سے وہ اگرچہ اللہ کی الوہیت کی نفی نہیں کر رہاہے مگر شرک کا مرتکب ہوگیاہے یا کوئی شخص الوہیت کی خصوصیات میں سے کسی خصوصیت کا دعویٰ کرے۔ جیسے کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں بھی کسی چیز کو حرام حلال قرار دینے کا حق رکھتاہوں۔ یا کوئی شخص عالَم کو قدیم مانے تو یہ اس بات کا اقرار ہوگا کہ گویا اللہ نے عالَم کو پیدا نہیں کیا۔ اور اس کی اس بات کی تاویل بھی نہ ہوسکتی ہو تو یہ قول بھی کفرِ صریح کی طرح ہے اور اس کے کہنے والے کا کوئی عذر قبول نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کفر پر اپنی رضامندی وضاحت کے ساتھ ظاہر کر دے مثلاً ایک شخص اللہ کے وجود کا انکار کر دے اور اس کو کوئی کہے کہ تم سچ کہہ رہے ہو تو یہ کہنے والا کافر ہے۔ یہ خدا کے منکر سے کم نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اکثر کفریہ اعمال کرتا ہو، یا اقوال کہتا ہو، ان پر قائم رہتا ہو، یا کفار کی دوستی پر ہمیشہ قائم رہتا ہو اور اکثر اس دوستی کا ثبوت اپنے اعمال سے دیتا رہتا ہو تو ایسا شخص کافر ہوگا۔ اس لئے کہ عذر کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آدمی ہمیشہ یا اکثر ایسے افعال واقوال کا مرتکب ہوتا رہے جو کفریہ ہوں یا کفر پر رضامندی کی دلیل ہوں۔ اگر کوئی شخص کسی ایسے معاملہ میں ملوث ہوتا ہے جس پر کفر کا فتویٰ لگانا غور وفکر کا تقاضا کرتا ہو تو ایسے شخص پر کفر کا فتویٰ لگانے میں احتیاط کرنی چاہئے اور جتنا جتنا اس کا معاملہ زیادہ غور کا متقاضی ہوگا اتنی ہی احتیاط بڑھتی جائے گی تاکہ ظاہری قرائن کی طاقت وقوت کا مشاہدہ کرنے کے بعد فتویٰ لگایا جائے۔

مگر یہ بات بھی مدنظر رہے کہ اس طرح کے فتوے لگانا (جو دوسری نوع کے کفر سے متعلق ہوں) عوام کا کام نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے کسی پر ایسا فتویٰ لگا دے بلکہ اسلامی حکومت (اگر ہو تو) جس شخص کو ایسے فیصلے کرنے کا اختیار دے وہی فتویٰ لگانے کا مجاز ہوگا۔ اس کو ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔ ایک شخص قرآن کے اوراق (نعوذ باللہ) گندگی میں پھینکتا ہے تو یہ عمل فی ذاتہ قطعِ نظر فاعل کے باتفاقِ فقہاء، کفر ہے۔ اس لئے کہ اس نے کتاب اللہ کی تحقیر وتوہین کی ہے اگر کوئی اور شخص اس کو ایسا کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اسے یہ حق ہے کہ وہ یہ کہے کہ یہ کام کفر ہے لیکن اس شخص کو کافر قرار نہ دے جب تک کہ کم از کم دو باتوں کی معلومات حاصل نہ کرلے کہ جس نے یہ اوراق گندگی میں پھینکے ہیں اسے معلوم تھا کہ یہ قرآن کے ہیں اور جس جگہ پھینکے ہیں وہ گندی ہے۔ جب اس بات کا علم ہو

جائے تو پھر اسے حق ہے کہ وہ اس شخص کو کافر قرار دے۔ مگر ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کاغذ پھینکنے والا اتنا ان پڑھ جاہل ہو کہ اسے معلوم ہی نہ ہو کہ یہ قرآن کے اوراق ہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جس میں یہ اوراق ڈال رہا ہے وہ گندگی ہے تو یہ جہالت اس بات کی دلیل ہو گی کہ اس شخص کا ارادہ تحقیر و توہین کا نہیں تھا اور یہ شخص معذور ہے۔

لہٰذا کسی متعین شخص کو کافر قرار دینے میں احتیاط لازم ہے جب تک کہ اس سے صریح کفر سرزد نہ ہو، جس کی کوئی توجیہ و تاویل نہیں ہو سکتی سوائے کفر قرار دینے کے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان تمام اعمال واقوال سے واقفیت ضروری ہے جن کے ارتکاب سے کفر لازم آتا ہے، تمام شرائط، اور موانع کے ازالے کے ساتھ۔

۳۔ کسی بندے کے کفر پر دو قسم کے احکام مترتب ہوتے ہیں:

۱) **دنیوی:** مرتد شخص ان تمام امور کا مستحق ہو گا جو شرعی نصوص سے ثابت ہیں اور جن کا اس پر نافذ کرنا ضروری ہے یعنی کسی کے ظاہری اعمال پر فیصلہ، نہ کہ اس کے باطن کو دیکھا جائے۔ مثلاً مرتد قتل کا مستحق ہے اگر توبہ نہیں کرتا۔ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ اس کا ذبیحہ اور اس سے نکاح پڑھوانا جائز نہیں ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جو بندوں نے کرنے ہیں اور خاص شخص کے ساتھ اس کے ظاہر کے لحاظ سے کرنے ہیں (جس کا کفر وارتداد ثابت ہو چکا ہو) ان میں سے توبہ کرانا یا قتل کا فیصلہ (اسلامی) حکومتِ وقت کا کام ہے۔ یہ عام انسانوں کا نہیں (البتہ عام لوگوں کے لئے ایسے شخص کو کافر و مرتد سمجھنا اور اس سے برأت کا اظہار کرنا یقیناً لازمی ہے)۔

۲) **اخروی:** اخروی حکم یہ ہے کہ مرتد ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا یہ کام بھی اللہ کے کرنے کا ہے کہ وہ کس کس پر مخلد فی النار ہونے کا حکم لگاتا ہے۔ یہ فیصلہ ہم دنیا میں نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم کسی معین شخص کے بارے میں یہ جانتے ہیں کہ اس کا آخرت میں کیا انجام ہو گا؟ کیونکہ یہ بندوں کے کرنے کا کام ہی نہیں۔ کسی بھی شخص کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی خاص شخص کے اخروی ٹھکانے اور انجام کے بارے میں معلومات کا دعویٰ کرے کہ فلاں جنت میں، فلاں جہنم میں جائے گا۔ اِلَّا

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو کسی کے بارے میں بتادیا ہو جس طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس صحابہ رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی تھی جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بارے میں کہا ہو کہ فلاں جہنمی ہے یا قرآن نے اس کی شہادت دی ہو کہ یہ شخص جہنمی ہے جیسے ابو لہب کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ وہ شعلوں والی آگ میں ہو گا۔

البتہ ہم عمومی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس نے اللہ کا انکار کیا یا دین سے مرتد ہوا وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔(اخروی معاملات میں رائے زنی کی) یہی وہ حد ہے جہاں تک کسی مسلمان کو محدود رہنا چاہیئے۔ اگر کوئی مسلمان اس حد سے تجاوز کرے گا تو وہ باغی اور حد سے گزرنے والا ہو گا۔

جس طرح شارح عقیدہ طحاویہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ’’ہم کسی کو جنتی یا جہنمی قرار نہیں دے سکتے۔‘‘

انٹرنیٹ ایڈیشن:
مسلم ورلڈ ڈیٹا پروسیسنگ پاکستان